بچوں کا ماہنامہ اُمنگ

اپریل ۲۰۲۲ء

دھلی منا رھی ھے جشنِ آزادی @75

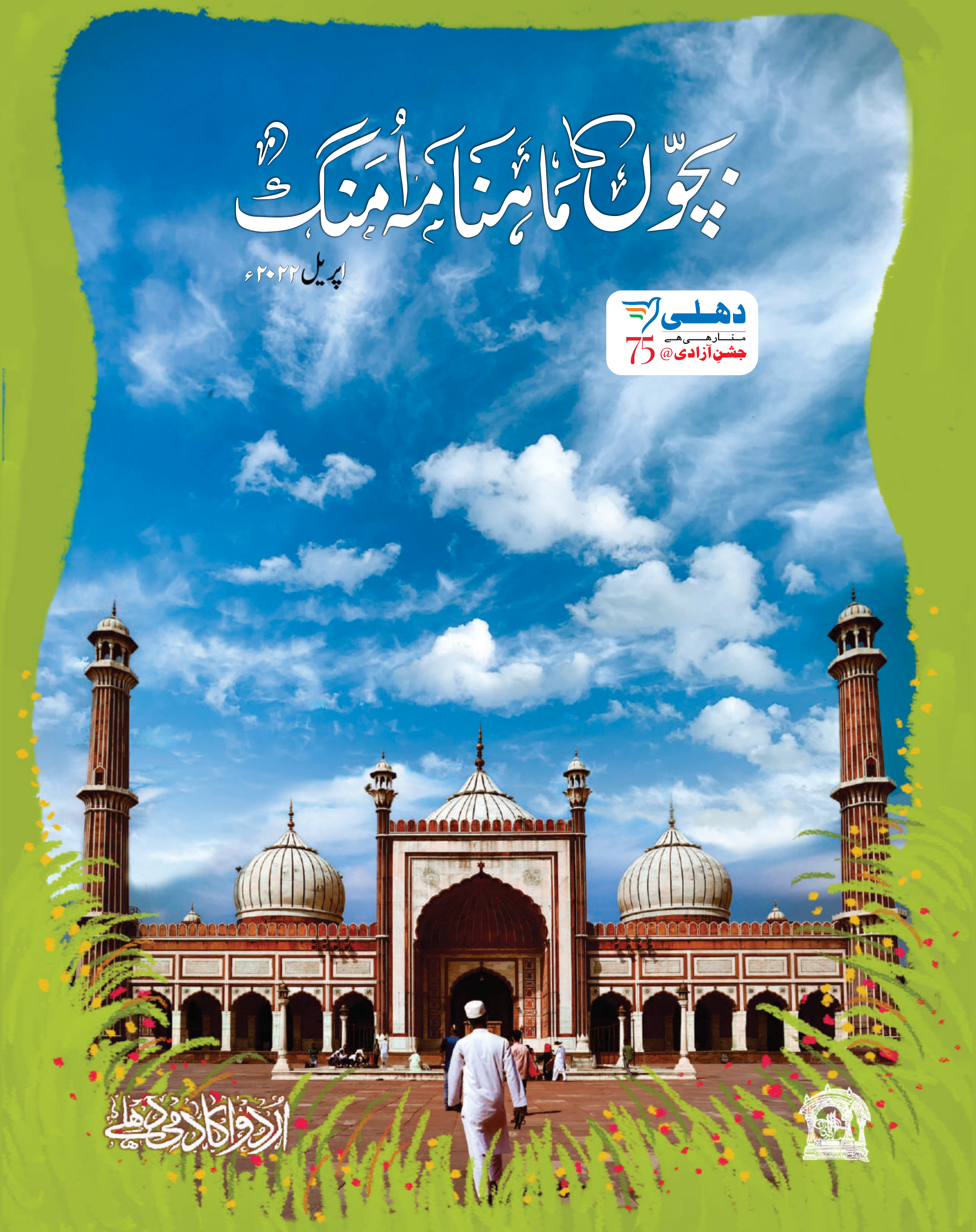

اردو اکادمی دہلی

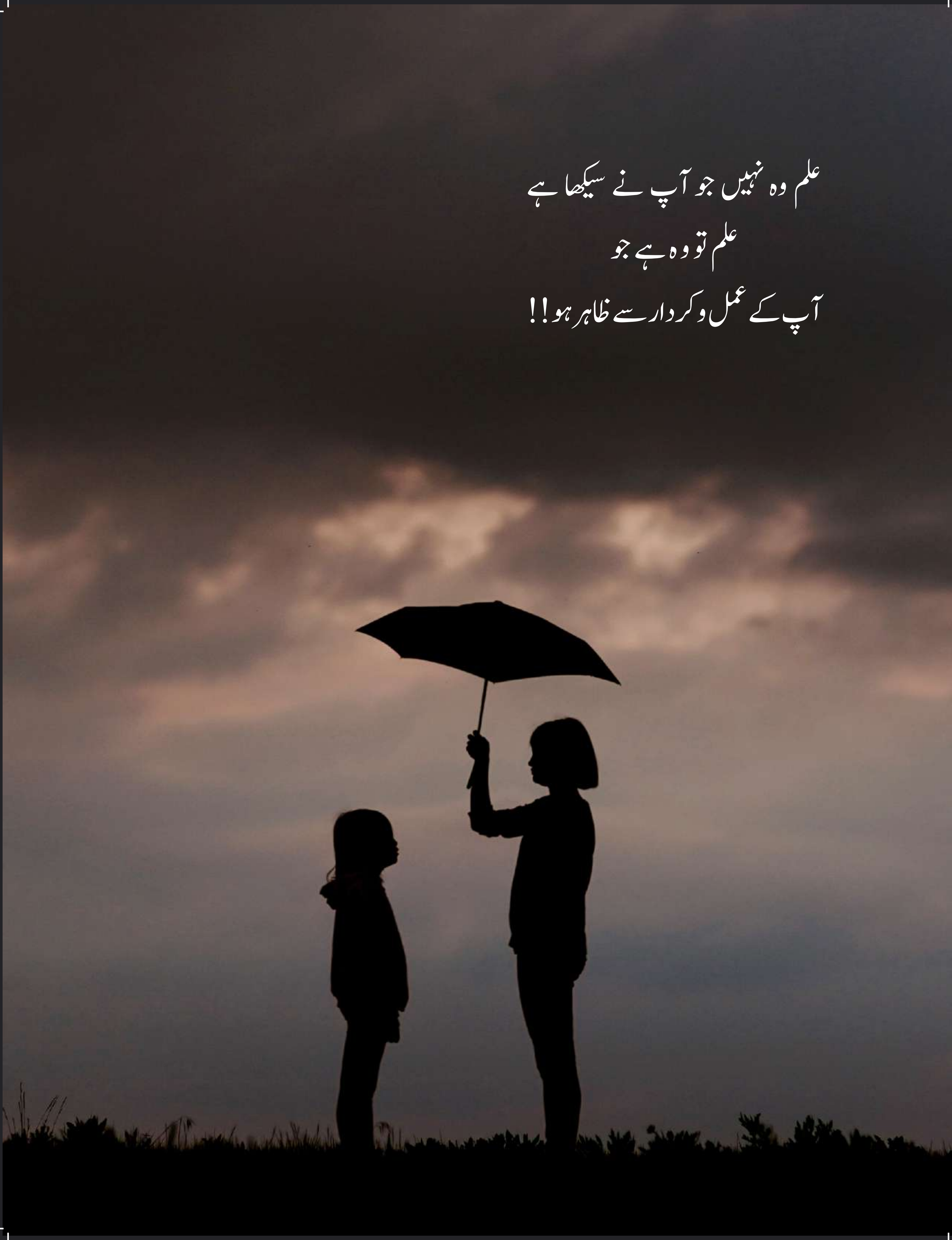
علم وہ نہیں جو آپ نے سیکھا ہے
علم تو وہ ہے جو
آپ کے عمل و کردار سے ظاہر ہو!!

امنگ
بچوں کا ماہنامہ

پہلی بات	ادارہ	04
مضامین:		
البرٹ آئنسٹائن: ایک عظیم سائنسداں	محمد خلیل	05
پیپر ماشی، کشمیری مصوّری	نور شاہ	07
اپریل فول کی حقیقت	عقیلہ شاہین	09
دہلی پبلک لائبریری	وسیم سعید	11
انسانی اقدار اور نصابی ادب اطفال	عطا عابدی	13
رافیل نڈال کے سب سے زیادہ گرینڈ سلم خطاب	سید پرویز قیصر	16
لائٹ کیمرا اور ایکشن: میری آواز ہی پہچان ہے	وامق ضیا	19
دلّی میں پارک	واعظ الرحمٰن صدیقی	22
کہانیاں:		
انسانیت (کامکس)	سید واجد علی شاہ جیلانی	25
اپریل فول بنایا!	رئیس صدیقی	33
وقت کی چوری	ڈاکٹر سید اسرار الحق سبیلی	35
پڑھنے والی عینک (ڈراما)	ڈاکٹر افتخار انیس حمیدی	37
زندگی کا سبق	نیلوفر سعدیہ	39
شاعری:		
نیم	کوثؔر صدیقی	43
دعا	ڈاکٹر غلام جیلانی یکتاؔ	43
روزوں کا موسم	عطاء الرحمٰن طارق	44
ماہ صوم آ گیا	احمد وکیل علیمی	44
پیارے بچو!	پروفیسر مقبول احمد مقبولؔ	45
وطن	منظوؔر عالم الجھن	45
بچواے میرے بچو!	شکیلؔ سہسرامی	46
اب ہنسنے کی باری	قارئین	47
میرا پسندیدہ شعر	قارئین	48
معلومات کی کسوٹی	انس نمیر	49
آپ نے لِکھا (خطوط)	قارئین	50

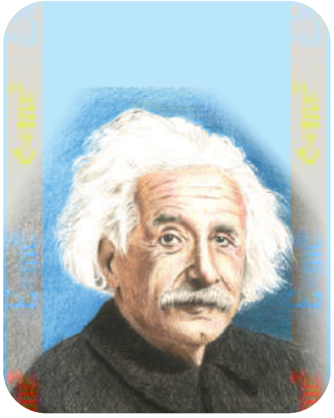

وائس چیئر مین: حاجی تاج محمد

مدیر: محمد اے عابد، سکریٹری

جلد نمبر: ۳۶، شمارہ نمبر: ۴، اپریل ۲۰۲۲ء

فی شمارآٹھ روپے، سالانہ اسّی روپے

ڈرافٹ/چیک سکریٹری اردو اکادمی، دہلی کے نام ہونا چاہیے

خط و کتابت کا پتہ:

اُردو اکادمی، دہلی

سی۔پی۔او۔بلڈنگ، کشمیری گیٹ، دہلی۔110006

Email: aiwaneurduumangdelhi@gmail.com

فون نمبر:

23863697, 23863856, 22863566

رسالے سے متعلق شکایات و دیگر معلومات کے لیے رابطہ کریں:

23863729

سرورق: شیراز حسین عثمانی، واصف جمال

ISSN: 2321-287X

''بچوں کا ماہنامہ امنگ''، میں شائع ہونے والی تحریروں میں ظاہر کی گئی آرا سے ادارے کا متفق ہونا ضروری نہیں۔ تمام کہانیوں میں نام، مقامات اور واقعات میں مطابقت کو اتفاقیہ سمجھا جائے گا۔ متنازع امور پر کارروائی صرف دہلی کی عدالتوں میں ہی کی جا سکتی ہے۔

محمد احسن عابد، سکریٹری اردو اکادمی، دہلی (پرنٹر، پبلشر) نے ایس ڈی ایم پرنٹر اینڈ پیکر، بی۔۲۱۵، سیکٹر۔۴، بوانا انڈسٹریل ایریا، دہلی۔۱۱۰۰۳۹ سے چھپوا کر دفتر اردو اکادمی، دہلی، سی۔پی۔او۔بلڈنگ، نزد رٹز سنیما، کشمیری گیٹ، دہلی۔۱۱۰۰۰۶ سے جاری کیا۔

پہلی بات

پیارے بچو!

آپ کے اسکول کھل گئے ہیں اور امتحانات سر پر آ گئے ہیں۔ اس لیے آپ کی امتحانات سے متعلق پریشانیاں بھی شروع ہو چکی ہیں۔ بہت سے بچے چاہتے ہوں گے کہ امتحانات کچھ دنوں کے لیے ٹل جائیں تاکہ انھیں امتحانات کے لیے کچھ وقت مزید مل جائے اور وہ پوری تیاری کے ساتھ امتحانات میں شرکت کر سکیں۔

کئی مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ بچے پورے سال تیاری کرتے ہیں، لیکن جب سوالات کا پرچہ سامنے آتا ہے تو سب کچھ بھول جاتے ہیں۔ ایسا اس لیے ہوتا ہے کہ آپ نے دل لگا کر نہیں پڑھا۔ اپنے اسباق دہرائے نہیں۔ ہوم ورک بھی ٹھیک سے نہیں کیا اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اس بات کو اپنے گھر والوں کو نہیں بتایا۔ آپ میں سے جو بھی بچے اس مرحلے سے گزر رہے ہیں، انھیں چاہیے کہ اپنی کتابیں لے کر بیٹھ جائیں۔ اسباق دہرائیں۔ جو سبق سمجھ میں نہ آ رہا ہو اپنے والدین یا بڑے بھائی بہن کو بتائیں۔ آپ کے اسکول کے جو ساتھی آپ کے نزدیک رہتے ہوں، ان سے مدد لیں......سب سے بڑھ کر یہ بات ذہن نشیں کر لیں کہ گھبرائیں نہیں۔ اپنے دل سے امتحان کے ڈر اور خوف کو بالکل نکال دیں۔ امتحانات شروع ہونے سے پہلے بعض بچے ڈر اور خوف کے باعث رات رات بھر سو نہیں پاتے۔ کتاب ہاتھ میں لیے بیٹھے رہتے ہیں۔ کچھ سمجھ میں آتا ہے اور کچھ نہیں۔ یہ سب اس ڈر اور خوف کے سبب ہوتا ہے جسے آپ نے اپنے دل میں جگہ دی ہے۔ سب سے پہلے ڈر اور خوف کے ماحول سے باہر آئیں۔ اس سلسلے میں اپنے سرپرستوں سے مدد لیں، اپنے اساتذہ کو اپنی پریشانی سے آگاہ کریں۔ اپنے دوستوں کو بھی اپنی اس کمزوری کے بارے میں بتائیں۔ یہ کوئی بہت بڑا مسئلہ نہیں ہے۔ جب ایک مرتبہ آپ کے دل سے ڈر اور خوف دور ہو جائے گا آپ کو سب کچھ آسان نظر آئے گا اور اس کے لیے آپ کو صرف اور صرف ایک کام کرنا ہے اپنے اندر خود اعتمادی پیدا کریں...... اور خود اعتمادی کا مظاہرہ بھی کریں۔ اس سے آپ کے اندر نیا جوش و خروش پیدا ہوگا اور آپ دیکھیں گے کہ سوالات کا پرچہ بھی آپ کو بالکل آسان لگے گا۔ پورے اعتماد کے ساتھ سوالات کے پرچے کو پڑھیں اور اسی اعتماد کے ساتھ جواب لکھیں۔ آپ دیکھیں گے کہ سب کچھ درست اور اچھا ہوتا جائے گا۔ ایک بات یہ بھی یاد رکھیں آپ ''میرا پسندیدہ شعر'' اور ''اب ہنسنے کی باری ہے'' کے لیے خط لکھتے وقت اپنا نام اور شاعر کا نام ضرور لکھیں۔

''بچوں کا ماہنامہ اُمنگ'' کو پیارے بچوں کے خطوط کا انتظار ہے۔

ادارہ

البرٹ آئنسٹائن

ایک عظیم سائنسداں

محمد خلیل ......

آپ نے البرٹ آئنسٹائن کا نام تو ضرور سنا ہوگا وہ ایک عظیم سائنسداں تھے۔ وہ جرمنی کے مشہور شہر میونخ کے ایک قصبہ الم میں ۱۴ مارچ ۱۸۷۹ء کو پیدا ہوئے تھے۔ ان کے والد کا نام ہرمن اور والدہ کا نام پاوین تھا۔ ان کی چھوٹی بہن کا نام ماجا تھا۔

آئنسٹائن بچپن سے ہی بہت سنجیدہ تھے۔ وہ دوسرے بچوں کی طرح کھلونوں سے نہیں کھیلتے تھے اور نہ دوسرے بچوں کے ساتھ کھیل میں حصہ لیتے تھے۔ اسکول کے زمانے میں بھی وہ زیادہ تر خاموش رہتے تھے۔ دیر سے جواب دینے کی وجہ سے انھیں کمزور طالب علموں میں گنا جاتا تھا اور اسی وجہ سے انھیں استادوں سے سزا ملتی رہتی تھی۔ انھیں ریاضی (میتھ) کا مضمون بہت پسند تھا۔ جب انھوں نے پہلی مرتبہ ریاضی کی کتاب پڑھنی شروع کی تو انھیں یہ مضمون اس قدر دلچسپ معلوم ہوا کہ جب تک کتاب ختم نہیں ہوگئی وہ اسے پڑھتے ہی رہے۔ جہاں قدرت نے ان کو اپنی پسند کے مضمون میں کھو جانے کی خصوصیت عطا کی تھی وہیں دوسری طرف تعلیم حاصل کرنے کے لیے پوری طرح آسانیاں نہیں ملی تھیں۔ اس کی ایک خاص وجہ یہ تھی کہ کمزور طالب علم ہونے کی وجہ سے ان کو مختلف اسکولوں میں پڑھنا پڑا۔ پھر بھی کسی نہ کسی طرح انھوں نے اپنی پڑھائی جاری رکھی اور وہ اکیس سال کی عمر میں زیورخ یونیورسٹی سے ڈگری حاصل کرنے میں کامیاب ہوگئے۔ ان پریشانیوں کے بعد ان کو ایک دفتر میں کلرک کی جگہ مل گئی تھی۔ وہ ٹیچر بننے کی خواہش رکھتے تھے لیکن اس کے باوجود انھوں نے اس جگہ پر کام کرنا شروع کر دیا۔ اس جگہ پر کام کرتے ہوئے وہاں آئنسٹائن کو کئی نئی ایجاد کی ہوئی مشینوں کو دیکھنے کا موقع ملا اور یہی وہ لمحہ تھا جب ان کے دماغ میں سائنس کی سوجھ بوجھ کی ایک نئی لہر کا جذبہ پیدا ہوا۔ اس سے پہلے انھوں نے کسی تجربہ گاہ (لیباریٹری) میں کوئی کام نہیں کیا تھا۔ اس کے بعد جب بھی انھیں وقت مل جاتا وہ کاغذ پنسل لے کر ریاضی کے پیچیدہ نقطوں (مسائل) کو حل کرتے رہتے تھے۔

آئنسٹائن نے ۱۹۰۵ء میں محنت کر کے ایک سائنس کا مقالہ لکھنے کے بعد اس وقت کے ایک مشہور سائنسی جریدے (رسالے) میں چھپنے کے لیے بھیجا۔ اس سائنس کے تحقیقی مضمون کے چھپنے کے بعد ان کو بڑی شہرت ملی اور اس کے بعد زیورخ یونیورسٹی میں اس میدان کا پروفیسر بنایا گیا۔ ذرا سوچیے یہ ایک کم عمر سائنسداں کی ایک بڑی عزت افزائی تھی۔ اس کے بعد آئنسٹائن جرمنی سے امریکہ آ گئے۔ ۱۹۱۲ء میں انھوں نے سائنس کے میدان میں اپنی تحقیق سے طبیعیات (فزکس) کے میدان میں ''فوٹو الیکٹرک'' کی دریافت کی بعد میں اسی کام کی اہمیت کو دیکھتے ہوئے انھیں سائنس کے سب سے بڑے عالمی اعزاز ''نوبل انعام'' سے نوازا گیا۔ جو دنیا کا سب سے بڑا انعام سمجھا جاتا ہے۔ آج کے موجودہ سائنسی زمانے میں ان کی اس اہم دریافت کا استعمال ٹیلی ویژن پر کیا جا رہا ہے۔ اس انعام کی بڑی رقم آئنسٹائن نے عام لوگوں کی مدد کے لیے دے دی تھی۔ یہاں یہ ذکر دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ ایک اور دوسرے موقع پر انھیں ڈھائی ہزار ڈالر کا ایک چیک ملا تھا جو ایک ادارے نے انھیں انعام کے طور پر دیا تھا لیکن آئنسٹائن کے دل میں ان چیزوں کی اہمیت نہ تھی۔ یہی وجہ تھی کہ وہ اس چیک کو کتاب میں رکھ کر بھول گئے اور پھر وہ کتاب اتفاق سے گم ہوگئی اور اس کے ساتھ ان کو دیا گیا وہ چیک بھی گم ہوگیا، لیکن انھیں اس چیک کے گم ہونے کا کوئی افسوس نہ تھا۔ اس سے آئنسٹائن کی سائنس سے دلچسپی کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

آئنسٹائن کے اتنے بڑے عالمی شہرت رکھنے والے سائنسداں میں ذرا بھی غرور نام کی کوئی چیز نہ تھی۔ انھیں مغربی موسیقی اور وائلن بجانے کا بڑا شوق تھا۔ ان کی موسیقی کی اس دلچسپی نے موسیقی اور سائنس کے رشتوں کو

اپنے مقالے میں عیاں کیا ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ ان کو سائنس سے دلچسپی اپنے اسکول کے زمانے میں ہی ہوگئی تھی۔ اس زمانے میں انھیں کہیں سے قطب نما (مقناطیسی سوئی، میگنیٹک نڈل) کی ڈبیا (آلہ) مل گئی تھی۔ جس کی سوئی ایک خاص سمت جاکر رک جاتی تھی۔ اس مقناطیسی سوئی کے عمل کے ذریعے آئنسٹائن کا سائنس سے پہلا تعارف تھا۔ یہ ذکر یہاں دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ اپنی تحریروں میں آئنسٹائن نے یہ ذکر بھی کیا ہے کہ ریاضی سے ان کی دلچسپی بڑھانے میں ان کے چچا جیک کا بڑا ہاتھ تھا۔

آئنسٹائن نے اپنی زندگی کو سائنس کے لیے وقف کر رکھا تھا۔ وہ ترک بھڑک والی پوشاک پسند نہیں کرتے تھے۔ وہ عام طور پر ڈھیلی ڈھالی پتلون اور جرسی پہنتے تھے۔ اس سے ان کی سادہ طبیعت کا اندازہ ہوتا ہے۔ اگر انھیں کسی چیز کا خیال رہتا تھا تو وہ صرف ان کا اپنا کام سائنسی تحقیقات یعنی سائنس کی دریافت اور تلاش تھی۔ ان کی سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ وہ ایک عام خیال کے انسان تھے اس کے بعد سائنسداں۔ اتنے بڑے سائنسداں ہوتے ہوئے وہ نہایت ہمدرد اور ان میں شرمیلا پن جھلکتا تھا اور یہ خصوصیات ان میں اخیر عمر تک باقی رہیں۔ ان کا ایک دلچسپ واقعہ سنیے۔ آئنسٹائن کی شہرت سے متاثر ہوکر بیلجیم کی مہارانی نے ان کو اپنے ملک آنے کی دعوت دی۔ مہارانی کے سپاہی طے وقت پر انھیں ریلوے اسٹیشن لینے پہنچے۔ اسٹیشن کے باہر کاروں کا مجمع تھا اور لوگ پھولوں کا ہار لے کر ان کا استقبال کرنے کے لیے موجود تھے۔ آئنسٹائن ٹرین سے اترنے کے بعد پیدل ہی محل کی طرف چل پڑے۔ سپاہیوں نے واپسی پر رانی کو اطلاع دی کہ آپ کے مہمان نہیں آئے۔ پھر انھوں نے دیکھا کہ بکھرے ہوئے بھورے بالوں والا ایک شخص جو بہت سادے لباس میں ہے ایک ہاتھ میں اپنا بکس لیے ہوئے پیدل چلا آرہا ہے۔ مہارانی نے آئنسٹائن کو پہچان لیا اور پوچھا کیا آپ پیدل چل کر آئے ہیں۔ آئنسٹائن نے بڑے مختصر طور پر جواب دیا: ''ہاں اچھا خاصہ گھومنا ہوگیا۔''

سائنس کی دنیا میں کسی نام کو اتنی شہرت نہیں ملی جتنی شہرت البرٹ آئنسٹائن کو حاصل ہوئی۔ جاپان میں ایٹم بم گرائے جانے کا انھیں بہت صدمہ تھا۔ زندگی کے آخری دنوں میں وہ بے حد کمزور ہوگئے تھے۔ آخری وقت میں جب وہ ایک اسپتال میں زندگی اور موت کی کشمکش میں مبتلا تھے تو جرمن زبان میں کچھ کہنا چاہتے تھے جسے سنا نہ جاسکا۔ اس طرح کوئی نہ جان سکا کہ دنیا کو اتنا بہت کچھ دینے والا سائنسداں آخری وقت میں کیا کہنا چاہتا تھا اور ایک عظیم سائنسداں ہمیشہ کے لیے خاموش ہوگیا۔

H-51, Dr. Iqbal Lane, Batla House,
Jamia Nagar, New Delhi-110025
Tel.: 011--26985491

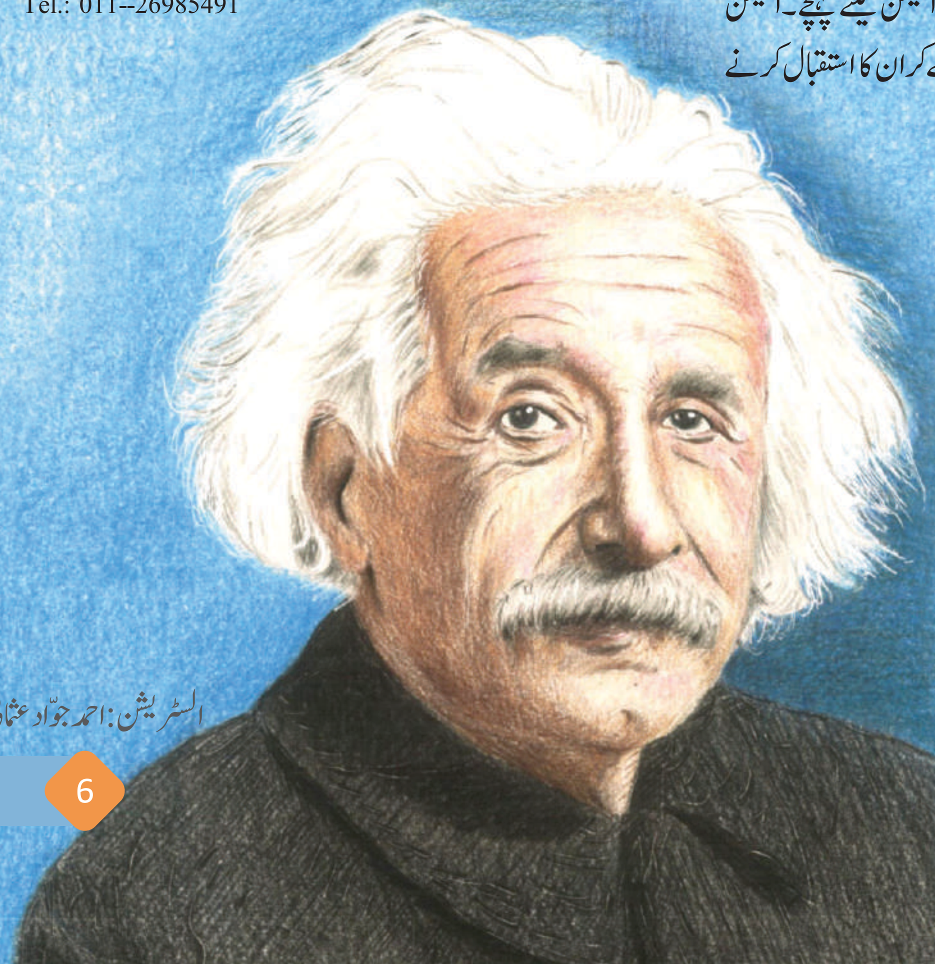

السٹریشن: احمد جوّاد عثمانی

پیپر ماشی
کشمیری مصوّری

......نور شاہ

کشمیر کی وادی اپنے سدا بہار حُسن، خوبصورتی، سندرتا اور حیات افروز مناظر کے لیے ہی مشہور و معروف نہیں بلکہ یہاں کے فنکاروں کی تخلیقی صلاحیتیں زمانۂ قدیم سے ساری دنیا کی توجہ کا مرکز رہی ہیں۔ کشمیر کے بے پناہ حُسن نے یہاں کی دست کاریوں میں ہر دور میں جلوہ نمائی کی ہے اور مقامی رنگ نے کشمیر کی صنعت وحرفت کو ایک لطیف انفرادیت عطا کی ہے۔

کشمیر کے صناعوں اور دست کاروں کی صناعیاں ان کے احساسِ جمال کی آئینہ دار ہیں اگر چہ کشمیر کی دستکاریاں محض ذریعۂ مُعاش کے طور پر نشو و نما پاتی رہی ہیں لیکن ساکنانِ فردوس نے اِس ہنر کو بلند درجہ عطا کرنے میں کسی بھی دور میں بخل سے کام نہیں لیا۔ یہ دستکاریاں لوگوں کے بدلے ہوئے ذوق کا ساتھ دیتی رہی ہیں۔ آج کے مشینی دور میں ڈیزائن سے لے کر تکنیک تک انقلاب آمیز تبدیلیاں ہوتی رہی ہیں اور کشمیر کی بہت ساری دست کاریاں ان تبدیلیوں کا ساتھ دے کر اپنے وجود کو قائم رکھے ہوئے ہیں اور یہ سب کچھ دست کاروں کی ذہنی وسعت کا کرشمہ ہے۔

پیپر ماشی کی صنعت دنیا کے ہر گوشے میں مقبول و معروف ہے۔

پیپر ماشی عرصہ دراز پرانہ آرٹ ہے جس میں کاغذ کو پانی میں بھگو کر اور بعد میں سکھا کر کپڑا، چاول کا سفوف، کاپر سلفیٹ وغیرہ ملا کر بنایا جاتا ہے۔ بعد میں اسے پتھر اور ٹِشو پیپر سے چکنا کر کے دو چار اور مراحل سے گزارا جاتا ہے۔ آخر کار یہ مُصوّری کے لیے تیار ہو جاتا ہے۔

پیپر ماشی کی صنعت دنیا کے ہر گوشے میں مقبول و معروف ہے۔ پیپر ماشی بنیادی طور پر مصوری کی ایک صنف ہے جیسا کہ نام سے ظاہر ہے۔ پیپر ماشی کاغذ پر کی گئی سنہری اور رنگین نقاشی کو کہتے ہیں، رفتہ رفتہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس صنف کا کینوس وسیع سے وسیع تر ہوتا گیا اور فنکاروں نے لکڑی اور پیتل پر بھی نقوش اُبھارنے شروع کئے اور اس طرح بہت سارے نقوش معرضِ وجود میں آئے جیسے گل دان، ٹیبل لیمپ، پوڈر بکس، سنگھار دان، بک شیلف اور فریم وغیرہ۔ کہتے ہیں کہ اگلے وقتوں میں عمارتوں، دیواروں اور چھتوں پر بھی پیپر ماشی کی جاتی تھی۔

تاریخ سے دلچسپی رکھنے والوں کو معلوم ہوگا کہ کشمیر کی صنعتوں کا آغاز

چودہویں صدی میں ہوا تھا۔ عہدِ بڈشاہ میں کشمیر کی صنعتوں نے ہزارہا منزلیں طے کیں اور صنعت کاروں کی حوصلہ افزائی کی۔ اِس کے بعد عہدِ مغلیہ میں انقلاب آمیز تبدیلیاں ہوئیں۔ مغل بادشاہوں کا ذوق جمال بالیدہ تھا اور اس ذوقِ جمال کی جھلک صنعت میں دیکھنا چاہتے تھے۔

پیپر ماشی کے ڈیزائن کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ ایک روایتی اور دوسرا غیر روایتی ۔ روایتی ڈیزائن وہ ہے جِسے ماہرینِ فن نے اپنے بزرگوں سے اپنے ورثے میں پایا ہے اور اس روایتی ورثے کی آج بھی قدر و قیمت ہے۔

کشمیر پچھلے کئی برسوں سے پُر آشوب دور سے گزر رہا ہے لیکن اِس کے باوجود کشمیر کی دستکاریوں نے بے مثال ترقی کی ہے۔ آزادی سے پہلے دستکاروں کے ہُنر کا استحصال ہوتا تھا اور اُن کے فن پاروں کی کوئی قیمت نہ ہوتی تھی ۔ صرف استحصالی عناصر کمائی کرتے تھے۔ دستکار دیکھتے رہ جاتا تھا، لیکن اب کشمیر کا دستکار اپنی اہمیت سے آشنا ہے، وہ اپنے فن کی قدر و قیمت جانتا ہے۔ وہ اب بچولیوں کی عیارانہ باتوں میں نہیں آتا بلکہ تیار شدہ مال کی فروخت کے لئے اُسے اب کشمیر آرٹس ایمپوریم کی صورت میں خریدار مل چکا ہے، یہی وجہ ہے کہ کشمیر میں جتنے بھی دستکار اس صنعت سے وابستہ ہیں اُن کی مالی اور اقتصادی حالت پہلے سے بہتر ہے۔ دوسری اہم بات یہ کہ آج کشمیر کے مختلف گوشوں میں صنعتی مراکز قائم ہیں۔

پیپر ماشی کشمیر کی وہ دلفریب صنعت ہے جو زندہ تھی، زندہ ہے اور مستقبل میں بھی زندہ رہے گی۔.................!!

14-Lalded Colony Goripora Link Road
Rawalpora Srinagar 190005 Kashmir
Mob.: 8899637012, 9906771363

اپریل فول کی حقیقت

عقیلہ شاہین......

جیسے ہی یکم اپریل کی صبح طلوع ہوتی ہے کئی لوگ اور بچے اوروں کو جھوٹ کہہ کر پھنساتے ہیں اور مذاق کا نشانہ بناتے ہیں اور جب سچ سامنے آجاتا ہے کہتے ہیں ''اپریل فول!'' کبھی یہ دانستہ کیا جاتا ہے تو کبھی لاعلمی کی وجہ سے! بہرحال اسے نادان افراد کی وقتی دل آزاری کے لیے کیا گیا مذاق یا گھڑا گیا جھوٹ مدمقابل انسان کے لیے کبھی کبھی جان لیوا تک ثابت ہوسکتا ہے۔ جھوٹ بولنا گناہ کبیرہ ہے اور اپریل فول منانا سراسر جھوٹ پر مبنی روایت ہے۔ اس قبیح رسم کا پس منظر اس طرح ہے۔

جب عیسائی افواج نے اسپین کو فتح کیا تھا اس وقت اسپین کی زمین پر مسلمانوں کا اتنا خون بہایا گیا کہ فاتح فوج کے گھوڑے جب گلیوں سے گزرتے تھے تو ان کی ٹانگیں گھٹنوں تک مسلمانوں کے خون میں ڈوبی ہوئی ہوتی تھیں۔ جب قابض افواج کو یقین ہوگیا کہ اسپین میں کوئی بھی مسلمان زندہ نہیں بچا ہے تو انھوں نے گرفتار مسلمان فرمانروا کو یہ موقع دیا کہ وہ اپنے خاندان کے ساتھ مراکش واپس چلا جائے جہاں اس کے آباواجداد آباد تھے۔ قابض افواج غرناطہ سے کوئی ۲۰ کلومیٹر دور ایک پہاڑی پر اسے چھوڑ کر واپس چلی گئیں۔ جب عیسائی افواج نے تمام مسلمان حکمرانوں کو اپنے ملک سے نکال دیا تو حکومتی جاسوس گلی گلی گھومتے رہے کہ کوئی مسلمان نظر آئے تو اسے فوراً شہید کردیا جائے۔ جو مسلمان زندہ بچ گئے تھے وہ اپنے علاقے چھوڑ کر دوسرے علاقوں میں جا کر بس گئے اور اپنے گلے میں صلیبیں ڈال لیں اور اپنے عیسائی نام رکھ لیے۔ اب بظاہر اسپین میں کوئی بھی مسلمان نظر نہیں آرہا تھا مگر اب بھی عیسائیوں کو یقین تھا کہ سارے مسلمان قتل نہیں ہوئے ہیں۔ ضرور کچھ مسلمان چھپ کر اور اپنی شناخت چھپا کر زندہ بچے ہوئے ہیں۔ اب ایسے مسلمانوں کو باہر نکالنے کی ترکیبیں سوچی جانے لگیں اور پھر واقعی ایک منصوبہ بنالیا گیا۔ پورے ملک میں اعلان ہوا کہ یکم اپریل کو تمام مسلمان غرناطہ میں اکٹھے ہوجائیں تاکہ انھیں ان کے ممالک میں بھیجا جاسکے جہاں وہ جانا چاہتے ہیں۔ اب ملک میں امن قائم ہوچکا تھا اور چونکہ مسلمانوں کو خود کو ظاہر کرنے میں کوئی خوف محسوس نہیں ہو رہا تھا۔

ادھر مارچ مہینے میں پورا مہینہ اعلانات ہوتے رہے۔ الحمراء کے نزدیک بڑے بڑے خیمے نصب کردیے گئے۔ جہاز آکر بندرگاہ پر لنگر انداز ہوتے رہے۔ غرض مسلمانوں کو ہر طرح سے یقین دلایا گیا کہ انھیں کچھ نہیں کیا جائے گا۔ انھیں کچھ نہیں کہا جائے گا۔ پھر جب واقعی مسلمانوں کو یقین ہوگیا کہ اب ہمارے ساتھ کچھ غلط نہیں کیا جائے گا تو سب غرناطہ میں اکٹھا ہونا شروع ہوگئے۔ اس طرح حکومت نے تمام مسلمانوں کو ایک جگہ اکٹھا کرلیا اور ان کی بڑی خاطر و مدارات بھی کی گئی۔

یہ کوئی ۵۵۰ برس پہلے یکم اپریل کا دن تھا جب تمام مسلمانوں کو بحری جہازوں میں سوار کرایا گیا۔ انھیں اس وقت اپنا وطن چھوڑنے کا دکھ تو ہو رہا تھا لیکن اطمینان اس بات کا تھا کہ چلو اپنی جان تو بچ جائے گی۔

دوسری طرف عیسائی حکمران اپنے محلات میں جشن منانے لگے۔ جرنیلوں نے مسلمانوں کو الوداع کہا اور جہاز وہاں سے روانہ ہوگئے۔

ان وطن چھوڑنے والے مسلمانوں میں بوڑھے، بچے، خواتین اور کئی مریض بھی تھے۔ جب انھیں لے کر جہاز سمندر کے عین وسط میں پہنچے تو منصوبہ بندی کے تحت انھیں گہرے پانی میں ڈبو دیا گیا اور اس طرح وہ تمام مسلمان سمندر میں ابدی نیند سو گئے۔ اس کے بعد اسپین میں خوب جوش خروش کے ساتھ جشن منایا گیا کہ ہم نے کس طرح اپنے دشمنوں کو بے وقوف بنایا۔

پھر یہ دن اسپین کی سرحدوں سے نکل کر پورے یورپ میں فتح کا عظیم دن بن گیا اور اسے ''فرسٹ اپریل فول'' کا دن نام دیا گیا۔ ''یعنی یکم اپریل کے بے وقوف!''

آج بھی عیسائی لوگ اس دن کی یاد بڑے اہتمام سے مناتے ہیں اور لوگوں کو جھوٹ بول کر بیوقوف بناتے ہیں۔

ہم مسلمان ہیں ہمیں زیب نہیں دیتا کہ اس طرح کے کام کر کے ہم غیروں کی پیروی کریں۔ اپنی دنیا و آخرت تباہ کریں، بلا سوچے سمجھے غیروں کی اندھی تقلید کریں۔ اس لیے ہمیں اپریل فول منانے کی رسم سے بچنا چاہیے۔

35-Seva Sadan, Block Complex-12, 1st Floor,
Mandawali, Fazilpur, Delhi-110092
Mob.: 8800972366

دہلی پبلک لائبریری

(Delhi Public Library)

وسیم سعید......

دہلی پبلک لائبریری جنوب مشرقی ایشیا میں واقع ملک ہندوستان کا سب سے بڑا اور مصروف ترین عوامی کتب خانہ ہے۔ جو ملک کے دارالسلطنت اور دارالحکومت نئی دہلی میں واقع ہے۔ دہلی پبلک لائبریری ہندوستان کے ان چار قومی کتب خانوں میں سے ایک ہے جس کو ''کتاب ایکٹ کی ترسیل۔۱۹۵۴ء'' (Delivery books act-1954) کی دفعات کے تحت ہندوستان میں شائع ہونے والی تمام کتابوں، اخبارات اور رسالوں کی ایک مفت کاپی ملتی ہے۔ اس کتب خانہ کو ''کتاب ایکٹ کی ترسیل۔۱۹۵۴ء'' کے تحت قومی ذخیرہ کتب خانہ میں ۱۹۸۲ء کو شامل کیا گیا تھا۔ یہ دہلی لائبریری بورڈ کے زیرِ انتظام وزارت سیاحت اور ثقافت کے تحت ایک خود مختار تنظیم ہے، جو حکومت ہند کی مکمل مالی اعانت سے چلتی ہے۔ جسے یونیسکو کی تکنیک کی مدد سے قائم کیا گیا تھا۔ اس کتب خانہ کا قیام ۲۷/ اکتوبر ۱۹۵۱ء میں یونیسکو اور حکومتِ ہند کے تعاون سے پائلٹ پروجیکٹ کے طور پر کیا گیا تھا۔ اس کتب خانہ کو قائم کرنے کا منصوبہ ۱۹۴۴ء میں عمل میں آیا تھا جب شری رام کرشن ڈالمیا نے جنرل کلاڈ اچنلک کی درخواست پر لائبریری کی عمارت تعمیر کرنے کے لئے درکار ہونے والی زیادہ تر رقم عطیہ کے طور پر عطا کی تھی۔ فروری ۱۹۵۰ء میں ہندوستان اور یونیسکو نے اس منصوبے کو شروع کرنے پر اتفاق کیا اور اس کتب خانہ کا باضابطہ طور پر پرانی دہلی ریلوے اسٹیشن کے سامنے ملک کے پہلے وزیر اعظم پنڈت جواہر لعل نہرو کے دستِ مبارک سے افتتاح ایک چھوٹی لائبریری کے طور پر کیا گیا تھا۔ اب یہ دہلی میں میٹرو پولیٹن پبلک لائبریری کے نظام کا اہم حصہ بن چکا ہے۔ اس کتب خانہ کی عمارت ۱۹۵۱ء سے ۱۹۵۳ء کے درمیان تعمیر کی گئی۔ جس کا باقاعدہ آغاز ۱۹۵۵ء میں ہوا۔ اُسے یونیسکو سے ہندوستانی حکومت کو باضابطہ طور پر ۱۹۵۵ء میں منتقل کیا گیا تھا۔ یہ کتب خانہ اپنے ابتدائی دنوں سے ہی طلبا، لائبریرین اور سماجی تعلیم کے کارکنوں کو ترتیب کی سہولتیں اور آسانیاں مہیا کراتا رہا ہے۔ یہ لائبریری علم، معلومات اور ثقافت کے فروغ کے ایک مرکز کے طور پر اپنی خدمات کو وسعت دیتی رہی ہے۔ اب یہ محسوس کیا جارہا ہے کہ کتب خانہ کو محض کتابوں کو قرض دینے کے لئے ایک مرکز کے طور پر کام نہیں کرنا چاہیے بلکہ اسے ایک مضبوط تنظیم کے طور پر بھی ترقی کرنی چاہیے۔ جو دانشورانہ تعاقب کو فروغ دینے اور اس کے قارئین میں معاشرتی تعلقات پیدا کرنے کے لئے سدا وقف رہے۔

کتب خانہ کا مجموعہ دہلی پبلک لائبریری کا قیمتی خزانہ ہے۔ اس مجموعے میں ہندی، انگریزی، اُردو، پنجابی اور دیگر ہندوستانی زبانوں میں کتابیں، جرائد اور دیگر پڑھنے کے مواد کی بھرپور اور وسیع قسمیں اور ذخائر موجود ہیں۔ بڑھتی ہوئی رکنیت کے ساتھ دہلی پبلک لائبریری میں ۱۸ لاکھ سے زیادہ کتابوں کا مجموعہ ہے۔ اس مجموعے میں ہر قاری کے لئے ایک کتاب موجود ہے، جس سے ان کے پڑھنے کا ذائقہ کچھ الگ ہی بنتا ہے۔ اس کے علاوہ کتب خانہ میں گراموفون، ریکارڈ، آڈیو، ویڈیو کیسٹس کا کل ذخیرہ تعداد میں ۹۴۳۱ ہے۔ دہلی پبلک لائبریری اپنے رجسٹرڈ ممبروں کے لئے گراموفون، ریکارڈ، آڈیو کیسٹس کو مفت میں قرض دیتی ہے۔ ان ریکارڈوں، کیسٹوں میں کلاسیکی آلہ اور ہلکی موسیقی، بھجن، فلمی گانے وغیرہ بھی موجود رہتے ہیں۔ اس لائبریری کے قارئین ہیڈ فون، کمپیوٹر لوازمات کے ذریعہ اس کا استعمال کر سکتے ہیں۔

دہلی پبلک لائبریری بحالی لائبریریوں ،کمیونٹی لائبریریوں، ذخیرہ مراکز ،کھیلوں کی لائبریریوں ،موبائل لائبریریوں ، بریل لائبریریوں وغیرہ کی علاقائی شاخوں اور ذیلی شاخوں کا نیٹ ورک دہلی میں ہر جگہ پھیل گیا ہے۔اس کی کل ۳۷ شاخیں موجود ہیں۔ کتب خانہ کی نمایاں خصوصیات میں سے ایک یہ ہے کہ دہلی کے شہریوں کو مفت لائبریری کی خدمات فراہم کرتا ہے۔ کتب خانہ کی اصل سرگرمی کتابوں کے فروغ کا ہی کام ہے۔ کتب خانہ کی ایک اہم خصوصیت یہ بھی ہے کہ بچوں کے قارئین کو اپنی خدمات فراہم کرتا ہے اور ساتھ ہی ساتھ ثقافتی سرگرمیوں جیسے تقاریر، مباحثوں، نمائشوں وغیرہ کا بھی اہتمام کرتا ہے۔ان تمام شاخوں میں بچوں کے لئے الگ ہی حصہ ہوتا ہے۔ کتب خانہ کی مخصوص سرگرمیوں میں سے ایک یہ ہے کہ نابینا افراد اور قیدیوں کو کتابی خدمات کے لئے موبائل لائبریری گاڑی کے ذریعے فراہم کرواتا ہے۔موبائل لائبریری خدمات کا آغاز ۱۹۵۳ء میں قارئین کی دہلیز پر لائبریری بطور خدمات فراہم کرنے کے مقصد کے تحت ہوا تھا۔ یہ کتب خانہ ۳۷ علاقوں میں چار موبائل وین چلا رہا ہے اور ۴۲۷۵ رجسٹرڈ ممبر موبائل لائبریری خدمات حاصل کر رہے ہیں۔اس کے ساتھ ہی یہ کتب خانہ بریل ڈیپارٹمنٹ بریل میں نقل کے ساتھ ساتھ بریل کی خصوصی خدمات مہیا کراتا ہے۔ جو مجموعی طور پر ۱۵۶۹۹ ہے۔ بریل موبائل لائبریری خدمات ۱۲۰ اداروں میں چلتی ہیں۔ جن کو ڈاک کے ذریعہ ان کے قارئین تک کتابیں پہنچائی جاتی ہیں۔ یہ کتب خانہ قومی تعطیلات کے سوا ہفتے کے تمام دنوں میں کھلا رہتا ہے۔

Near Masood Hotel, Gajri Bazaar,
Kamti, Dist. Nagpur
Mob: 7620594269

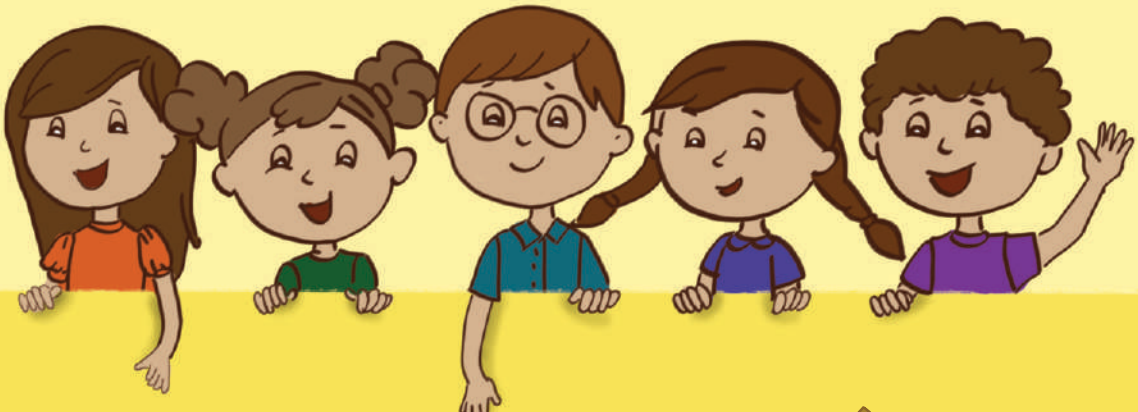

انسانی اقدار اور نصابی ادب اطفال

......عطا عابدی

انسانی اقدار کی تلاش کے لئے خود انسان کے حوالے سے بنیادی امور پیش نظر رکھنے ضروری ہیں۔ ابتدائے آفرینش سے ہی انسان کائنات اور مظاہر کائنات پر غور وفکر کرتا رہا ہے۔ وہ خود اپنے وجود، اپنی فطرت، اپنے تخلیقی اسباب اور افعال واعمال میں نہ صرف دلچسپی لیتا رہا ہے بلکہ اپنے شعور واستعداد کے مطابق ان کا جائزہ بھی پیش کرتا رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تقریباً تمام فلسفے، ادب اور مذاہب کسی نہ کسی مثالی وخاص انسان سے متعلق تصورات رکھتے ہیں۔

ابتدا سے آج تک انسان اپنی علاحدہ قدروں کا موضوع رہا ہے، اس کی عظمت، اس کی نفسیات اور اس کی فلاح و بہبود کے لئے فکرمندی کا جذبہ موجود رہا ہے۔ انسان سے منسوب تمام امور ومسائل نیز حالات وکوائف کی نہ صرف نشاندہی کی گئی ہے بلکہ ان پر ردعمل اور تبصرے کا سلسلہ بھی رہا ہے۔ یہ ردعمل اور تبصرے انسانی اوصاف وخصائص کے مختلف پہلوؤں کی کسوٹی کے طور پر سامنے آتے ہیں اور کبھی کبھی ایک آئیڈیل انسان کا منظّم خاکہ بھی ترتیب دیتے ہیں۔ چونکہ ہر انسان کی اپنی سطح مختلف ہوتی ہے لہٰذا تصور انسان کا بنیادی ماخذ مشترک ہوتے ہوئے بھی کئی امتیازات رکھتا ہے۔

خالق کائنات نے تمام مخلوقات پر آدمی یعنی انسان کو فوقیت دی ہے، اسے افضل واشرف مخلوق کا درجہ عطا کیا ہے۔ آدمی بہت سی ایسی خصوصیات و ترجیحات کا مالک ہے جن سے دوسری مخلوقات محروم ہیں۔ علم وعقل، عرفان ذات، شعور وادراک، آگہی کی تخصیص بھی صرف آدمی سے منسوب ہے، انسان سے مربوط ہے۔

اخلاقی اقدار کے ضمن میں عرفان ذات اور شعور کائنات ایسی تخصیص اور خصوصیت ہے جس کا اہل خالق کائنات نے انسان کو بنایا ہے۔ انسانی عظمت کا احساس واعتراف مذہبی صحیفوں، انسانی علوم کی دیگر کتابوں کے علاوہ دانشوروں اور شعرا و ادبا نے بھی خوب خوب کیا ہے۔ یہاں راقم الحروف انسانی عظمت کے ترانے نہیں گانا چاہتا بلکہ یہ بتانا مقصود ہے کہ انسان اپنی اقدار سے منفرد اور جامع حیثیت رکھتا ہے اور یہ اقدار اخلاقیات سے متعلق ہیں بلکہ یہ کہا جائے کہ انسانی اقدار دراصل اخلاقی اقدار ہیں۔ اخلاقی اقدار سے محرومی انسانی نسل کا ہونے کے باوجود کسی انسان کو حیوان اور جانور سے بدتر بنا دیتی ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ اخلاقی اقدار کیا ہیں۔ مختلف شعبۂ حیات کے دانشوروں اور علما نے آدمی کے آدمی یا انسان بننے کا معیار اخلاقی کرداروں کو بنایا ہے اور ان کا معیار اول یہ ہے کہ وہ فیض رساں ہو، اچھے اخلاق رکھتا ہو۔ لسان الصدق (مولانا ابوالکلام آزاد) مرتبہ عبدالقوی دسنوی کے ضمیمہ ۱۹۰۴ء میں سرجان لیک کی کتاب 'دی یوس آف لائف' کے ایک باب کا ترجمہ شامل ہے۔ اس باب میں درج انگریزی کی ایک قدیم مثل کے مطابق 'اخلاق انسان کو انسان بناتے ہیں اور اس امر کے صحیح ہونے میں کوئی شبہ نہیں کہ بہت سے آدمی اخلاق حسنہ کی بدولت آدمی بن گئے'۔

جب ہم اخلاق حسنہ پر نظر ڈالتے ہیں تو پاتے ہیں کہ اخلاقی قدروں میں ایثار وخدمت کے جذبے بنیادی اور ناگزیر حیثیت کے حامل ہیں اور ایثار و خدمت کا جذبہ محبت کے جذبے سے قوت وتوانائی حاصل کرتا ہے۔ یعنی محبت

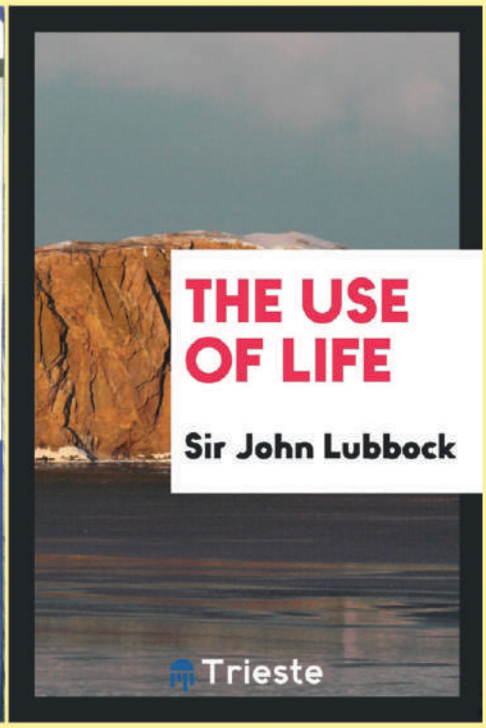

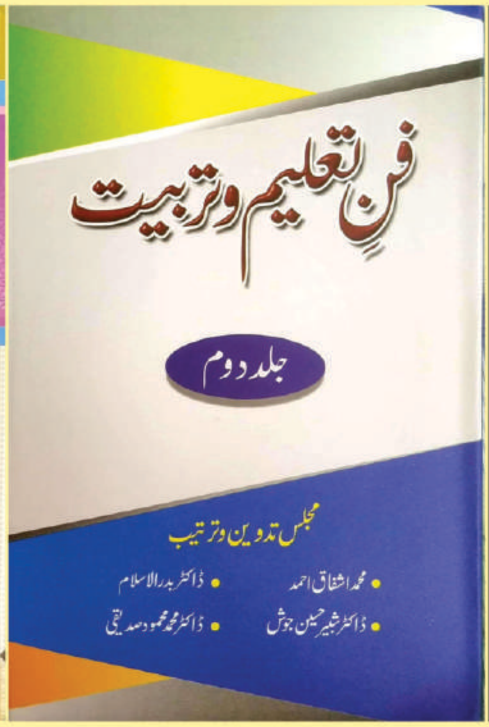

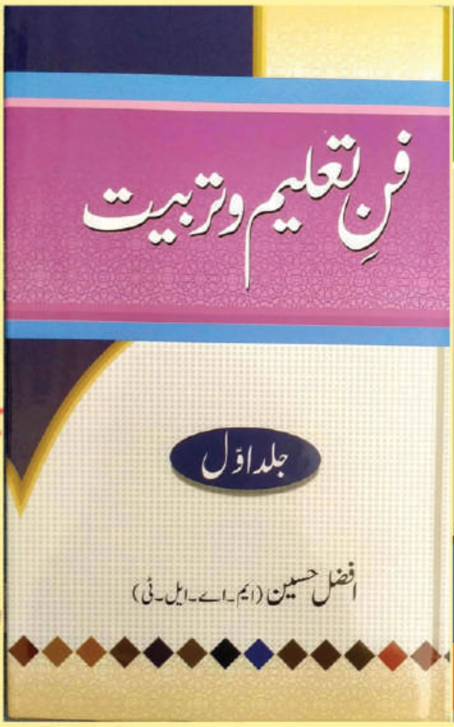

کومرکزیت حاصل ہے۔آدمی کا کردار جب تک محبت یعنی ایثار وخدمت پر مبنی نہیں ہوگا وہ یقین وعمل سے محروم ہوگا۔خدمت انسان کا جذبہ جہاں محبت کا نتیجہ خیز پہلو ہے، محبت کا دوسرا نام ہے، وہیں انسان کے لئے دردوغم کا ہونا بھی لازمی ہے۔بغیر دردمندی کے محبت کا احساس وجود نہیں پاسکتا۔

آدمی کے آدمی اور انسان ہونے کے جو معیارات سامنے آئے ہیں، ان کی روشنی میں ہی نصاب تعلیم میں انسانی قدریں تلاش کرنی ہوں گی۔اس تلاش کے تقاضوں کو اخلاق حسنہ کے تقاضوں سے ہم آہنگ کرکے ہی صحیح سمت دی جاسکتی ہے۔نصاب سازوں کو اپنی توجہ کا مرکز اخلاقی امور واقدار کو بنانا ہوگا۔

ہم اپنے بچوں کی تعلیم وتربیت کے لئے بجا طور پر فکرمند رہتے ہیں اور مطلوبہ تقاضوں کی تکمیل کے لئے ہر ممکن کوششیں کرتے رہتے ہیں، لیکن اجتماعی و تعلیمی سطح پر عموماً ذمہ داروں کا عملی رویہ اس سنجیدگی کا مظہر نہیں ہوتا جو ہونا چاہئے۔اگر ایسا نہیں ہوتا تو ہمارے سماجی وادبی وسیلوں میں بچوں کی بہتر سے بہتر تعلیم ولباس کے ساتھ ساتھ ان کی اخلاقی تعلیم وتربیت بھی ترجیحی حیثیت رکھتی لیکن عموماً ایسا نہیں ہے۔نصاب تعلیم کا سب سے مؤثر اور مستقل وسیلہ جو سماجی واجتماعی انسلاک سے نسبت رکھتا ہے، وہ ادب ہے۔نصاب تعلیم میں ادبی نگارشات کا انتخاب بہت بڑی ذمہ داری ہے اور یہ ذمہ داری اعلیٰ اخلاق کا متقاضی ہے، ٹھیک اسی طرح جس طرح ادب اطفال کی تخلیق غیرمعمولی سنجیدگی اور اخلاقی واسطوں سے مربوط ہے۔ بچوں کی ذہنی استعداد اور اس کے تقاضوں سے واقف ہونا اور متعلقہ امور کی ادبیات کا مطالعہ کرنا اور پھر فکری وفنی خصوصیات نیز بچوں کی نفسیات کے مطابق ان کی چھان پھٹک کرکے ان کا انتخاب کرنا غیرمعمولی عمل ہے۔بچوں یعنی کم عمر طلبا و طالبات کے لئے لکھتے وقت شعرا وادبا کی طرح نصاب سازوں کو بھی انتخاب کے وقت اپنی توجہ بچوں کی ذہنی سطح پر مرکوز کرنی پڑتی ہے تاکہ بچے نصاب تعلیم کے ادب میں پنہاں نصیحتوں سے، باتوں سے پوری طرح فیضیاب ہوسکیں۔

تعلیم وتربیت کے فن پر افضل حسین ایم اے ایل ٹی کی کتاب 'فن تعلیم وتربیت' (برائے اساتذہ ووالدین) بہت مفید کتاب ہے۔پہلی بار یہ کتاب ستمبر۱۹۶۳ء میں شائع ہوئی تھی۔اب تک اس کے کئی ایڈیشن شائع ہوچکے ہیں۔جس عرق ریزی اور محنت وخلوص سے اس کتاب کی تصنیف کی گئی ہے، اس کا اندازہ ہر ورق سے لگایا جاسکتا ہے۔افضل حسین ماہر تعلیم تھے اور بچوں کی نفسیات سے بخوبی واقف تھے۔ظاہر ہے کہ ان کی نگاہ بلند سے تعلیم وتربیت کے باب میں انسانی اقدار اور اس حوالہ سے ادب کی افادیت کس طرح پوشیدہ رہ سکتی تھی۔لہٰذا اس کتاب میں مختلف مقامات پر

تعلیم و تربیت کے لئے بچوں کا ادب اور اس کی مختلف اصناف کی اہمیت کا ذکر واضح الفاظ میں کیا گیا ہے۔

الیکٹرانک میڈیا آج پرنٹ میڈیا کے سامنے چیلنج کی حیثیت رکھتی ہے۔ مختلف کارٹون چینلز مافوق الفطرت مناظر و واقعات پیش کر کے بچوں کو جرائم کے متنوع پہلو اور سحر زدہ طلسمی کیفیات سے دوچار کرتے رہتے ہیں۔ آج نصابی کتابوں کے موضوعات، آرٹس ہوں یا سائنس، زندگی کو زیادہ سے زیادہ آسائش سے نوازنے والی ملازمتوں کے حصول کے پیش نظر ترتیب دیے جاتے ہیں۔ میں اقتصادیات کی اہمیت کا منکر نہیں کہ اس کے بغیر آدمی مختلف برائیوں پر مجبور ہو جاتا ہے۔ مجھے کہنا صرف یہ ہے کہ وہ چینلز یا نصابی کتابوں کے موضوعات اخلاقیات کے باب میں وہ مؤثر کردار ادا نہیں کرتے جو کرنا چاہئے۔ ایسے میں انسانی و اخلاقی اوصاف سے مزین وہ معاشرہ جو صالحیت و نافعیت کا امین ہو، دکھائی نہیں دیتا۔ آج سماج کی بہت ساری خرابیوں کی وجہ یہ بھی ہے کہ نصاب سازوں کی توجہ بچے کو ڈاکٹر، انجینئر، اعلیٰ افسر اور نئی تکنیک کے ماہر بنانے کی طرف تو ہوتی ہے لیکن یہ ماہرین سماج میں اپنے اخلاقی اوصاف اور اعلیٰ انسانی قدروں کی پاسداری کی بنا پر بھی اپنی پہچان بنا سکیں، اس کی ویسی فکر نہیں ہوتی جیسی ہونی چاہئے۔ اس کا نتیجہ ہے کہ آج نہ تو ڈاکٹر میں مریض کے تئیں ویسی ہمدردی کا جذبہ ہے، نہ استاد کو اپنی عظمت کا پاس ہے نہ طالب علم کو استاد کی حرمت کا خیال۔ یہی وجہ ہے کہ آج بہت سے گھپلوں اور جرائم میں تعلیم یافتہ حضرات بھی ملوث نظر آتے ہیں۔ یہ ایک ایسا خلا ہے جسے ادب اطفال خصوصاً نصاب تعلیم میں شامل ادب اطفال سے پر کیا جا سکتا ہے۔ تاکہ مستقبل تابناک اور نفع بخش ہو۔ اس اعتبار سے ادب اطفال کے تئیں نصاب سازوں اور قلم کاروں کی ذمہ داریاں بہت بڑھ جاتی ہیں۔ لہٰذا ضرورت ہے کہ نصاب سازوں کے علاوہ شعرا، ادبا، دانشور اور دیگر سماجی رتبے کے حامل افراد بچوں کی تعلیم کے ساتھ ساتھ ان کی اخلاقی تربیت کے حوالے سے ادب اطفال کی اہمیت و افادیت کو سمجھیں اور اسے اپنی گفتگو، مطالعے اور لائحۂ عمل کا حصہ بنائیں تاکہ انسانی اقدار اور اخلاقی کردار بچوں میں ابتدا ہی سے اس طرح ذہن نشیں ہو جائیں کہ مستقبل میں وہ ایک بڑا ڈاکٹر، انجینئر، سائنس داں، سیاست داں یا استاد یا دیگر شعبوں کے ذمہ داران ہونے کے ساتھ ساتھ اعلیٰ اخلاقی اوصاف سے بھی مزین رہیں۔

C/o Book Emporium, Sabzibagh,
Patna-800004 (Bihar)
Mob.: 9934296773

رافیل نڈال کے سب سے زیادہ گرینڈ سلم خطاب

......سید پرویز قیصر

رافیل نڈال ٹینس میں سب سے زیادہ گرینڈ سلم جیتنے والے کھلاڑی بن گئے ہیں۔ انہوں نے ایسا سال کے پہلے گرینڈ سلم آسٹریلین اوپن میں روس کے ڈینیل میدویدیف کو فائنل میں ۲-۶، (۵-۷) ۶-۷، ۶-۴، ۶-۴ اور ۷-۵ سے شکست دے کر کیا۔

رافیل نڈال اور ڈینیل میدویدیف کے درمیان فائنل میچ پانچ گھنٹے اور ۲۴ منٹ تک چلا جو گرینڈ سلم کی تاریخ میں دوسرا سب سے لمبا فائنل میچ تھا۔ گرینڈ سلم کی تاریخ میں سب سے لمبا فائنل میچ آسٹریلین اوپن میں دس سال پہلے کھیلا گیا تھا۔ ۲۰۱۲ء میں آسٹریلین اوپن کا فائنل نواک جوکوچ اور رافیل نڈال کے درمیان کھیلا گیا تھا جو پانچ گھنٹے اور ۵۳ منٹ تک چلا تھا۔ اس فائنل میں نواک جوکوچ نے رافیل ندال کو ۵-۷، ۶-۴، ۶-۲، (۵-۷) ۶-۷ اور ۷-۵ سے شکست دی تھی۔

رافیل نڈال پہلے دو سیٹ ہارنے کے بعد خطاب جیتنے میں کامیاب رہے ہیں۔ ان کے ساتھ ایسا کل ملا کر چار مرتبہ ہوا ہے جب وہ پہلے دو سیٹ ہارنے کے بعد جیتے۔ آخری مرتبہ ان کے ساتھ ایسا پندرہ سال پہلے ہوا تھا۔ ومبلڈن میں ۲۰۰۷ء میں چوتھے راؤنڈ میں روس کے میخائیل یوزونی نے رافیل نڈال کے خلاف پہلا سیٹ ۶-۴ سے جیتنے کے بعد دوسرے میں ۶-۳ سے کامیابی حاصل کی تھی۔ رافیل نڈال نے تیسرا سیٹ ۶-۱ سے اور چوتھا سیٹ ۶-۲ سے جیتا۔ پانچویں اور فیصلہ کن سیٹ میں رافیل نڈال نے ۶-۲ سے جیت حاصل کی اور کوارٹر فائنل میں داخلہ حاصل کیا۔ کوارٹر فائنل میں انہیں چیک ری پبلک کے تومس برڈیچ کو اور سیمی فائنل میں نواک جوکوچ کو شکست دی تھی مگر فائنل میں وہ راجر فیڈرر سے ہار گئے تھے۔

اسپین سے تعلق رکھنے والے رافیل نڈال نے یہ آسٹریلین اوپن میں دوسرا اور کل ملا کر ۲۱ واں گرینڈ سلم خطاب جیتا ہے۔ انہوں نے ۳۱ مرتبہ کسی گرینڈ سلم کے فائنل میں داخل ہونے کے بعد ۲۱ خطابوں پر قبضہ کیا ہے۔ ان سے پہلے سب سے زیادہ گرینڈ سلم خطاب جیتنے کا ریکارڈ مشترکہ طور پر سوئٹزرلینڈ کے راجر فیڈرر اور سربیا کے نواک جوکوچ کے پاس تھا جنہوں نے بیس بیس مرتبہ گرینڈ سلم خطابوں پر قبضہ کیا تھا۔

راجر فیڈرر نے ۲۰۰۳ء اور ۲۰۱۸ء کے درمیان جو ۲۰ گرینڈ سلم خطاب جیتے ہیں اس میں چھ مرتبہ وہ آسٹریلین اوپن، ایک مرتبہ فرنچ اوپن، آٹھ مرتبہ ومبلڈن اور پانچ مرتبہ امریکی اوپن جیتے ہیں۔ وہ ۳۱ مرتبہ کسی گرینڈ سلم کے فائنل میں داخلے کے بعد اتنے خطاب جیتنے میں کامیاب رہے ہیں۔

نواک جوکوچ نے ۲۰۰۸ء اور ۲۰۲۱ء کے درمیان ۳۱ مرتبہ کسی گرینڈ سلم کے فائنل میں داخلہ حاصل کیا ہے جس میں سے وہ ۲۰ گرینڈ سلم خطاب جیتنے میں کامیاب رہے ہیں۔ انہوں نے نو مرتبہ آسٹریلین اوپن کا خطاب جیتا ہے جبکہ چھ مرتبہ وہ ومبلڈن میں چیمپئن بنے ہیں۔ تین مرتبہ انہوں نے امریکی اوپن میں اور دو مرتبہ فرنچ اوپن میں خطاب حاصل کیا ہے۔

رافیل نڈال نے ۲۰۰۱ء میں پیشہ ورانہ ٹینس میں قدم رکھا تھا اور تین سال بعد اپنا پہلا خطاب جیتا تھا۔ انھوں نے ۲۰۰۴ء میں پولینڈ میں سوپوکسی میں آئیڈیا پروکوم اوپن خطاب اپنے نام کیا تھا۔ فائنل میں وہ ارجنٹائنا کے جوزا کا سوسکو کو ۶-۳ اور ۶-۴ سے ہرانے میں کامیاب رہے تھے۔

پہلا خطاب جیتنے سے ایک سال پہلے یعنی ۲۰۰۳ء میں رافیل نڈال نے پہلی مرتبہ کسی گرینڈ سلم میں شرکت کی۔ اس سال ومبلڈن میں تیسرے اور امریکہ اوپن میں وہ دوسرے راؤنڈ میں شکست کے بعد ٹورنامنٹ سے باہر ہوئے۔ ۲۰۰۵ء میں وہ آسٹریلین اوپن کے چوتھے راؤنڈ میں ہارے جبکہ اسی سال وہ پہلی مرتبہ کسی گرینڈ سلم کے فائنل میں پہنچے۔ انھوں نے فرنچ اوپن کے فائنل میں ارجنٹائنا کےماریانو پیورٹا کو (۶-۸) ۶-۷، ۶-۳، ۶-۱،

۱۔۶ اور ۵۔۷ سے شکست دے کر پہلا گرینڈ سلم خطاب جیتا تھا۔

رافیل نڈال نے ۲۰۰۸ء میں اپنا دوسرا گرینڈ سلم فرنچ اوپن کی صورت میں جیتا تھا۔ انھوں نے فائنل میں راجر فیڈرر کو ۶۔۱، ۱۔۶، ۴۔۶ اور (۴۔۷)۶۔۷ سے شکست دے کر کامیابی کے ساتھ اپنے خطاب کا دفاع کیا تھا۔ اس خطاب کے بعد انھوں نے ۲۰۰۷ء میں فرنچ اوپن میں اپنے خطابوں کی ہیٹ ٹرک کی تھی۔ اس مرتبہ وہ راجر فیڈرر کو فائنل میں ۳۔۶، ۴۔۶، ۳۔۶ اور ۴۔۶ سے ہرانے میں کامیاب رہے تھے۔ لگا یار چوتھی مرتبہ انھوں نے فرنچ اوپن کا خطاب راجر فیڈرر کو شکست دے کر ہی حاصل کیا تھا۔ اس مرتبہ وہ سیدھے سیٹوں میں ۱۔۶، ۳۔۶ اور ۰۔۶ سے جیتے تھے۔ یہ ان کی کسی گرینڈ سلم فائنل میں سب سے اچھی کارکردگی بھی ہے۔ اس سال نڈال اپنا پہلا ومبلڈن خطاب بھی جیتے تھے جو ان کا پانچواں گرینڈ سلم خطاب بھی تھا۔ فائنل میں انھوں نے ایک سخت مقابلے کے بعد راجر فیڈرر کو ۴۔۶، ۴۔۶، (۵۔۷)۷۔۶، (۸۔۱۰)۷۔۶ اور ۷۔۹ سے شکست دی تھی۔

آسٹریلین اوپن میں رافیل نڈال نے اپنا پہلا خطاب ۲۰۰۹ء میں حاصل کیا تھا۔ فائنل میں ان کا مقابلہ ایک مرتبہ پھر راجر فیڈرر سے ہوا تھا۔ انھوں نے اس فائنل میں ۵۔۷، ۶۔۳، (۳۔۷)۶۔۷، ۶۔۳ اور ۲۔۶ سے کامیابی حاصل کی تھی اور چھٹا گرینڈ سلم خطاب اپنے نام کیا تھا۔

رافیل نڈال نے ۲۰۱۰ء میں آسٹریلین اوپن کے علاوہ تینوں گرینڈ سلم پر قبضہ کیا تھا۔ اس سال انھوں نے تین فرینڈ سلم جیت کر اپنے گرینڈ سلم خطابوں کی تعداد نو کر لی تھی۔ انھوں نے فرنچ اوپن میں سوئیڈن کے روبن سوڈرلنگ کو سیدھے سیٹوں میں ۴۔۶، ۲۔۶ اور ۴۔۶ شکست دی تھی۔ ومبلڈن میں وہ چیک ری پبلک کے تھامس برڈیچ کے خلاف سیدھے سیٹوں میں ۳۔۶، ۵۔۷ اور ۴۔۶ سے جیتے تھے۔ یہ ان کا ومبلڈن میں دوسرا خطاب بھی تھا۔ وہ پہلی مرتبہ امریکہ اوپن کا خطاب اسی سال جیتے تھے۔ فائنل میں انھوں نے سربیا کے نوان جوکووچ کو ۴۔۶، ۵۔۷، ۴۔۶ اور ۲۔۶ سے شکست دی تھی۔

رافیل نڈال نے ۲۰۱۰ء میں نو تین گرینڈ سلم خطاب جیتے تھے مگر ۲۰۱۱ء میں وہ صرف فرنچ اوپن جیتنے میں کامیاب رہے تھے۔ فرنچ اوپن کے فائنل میں انھوں نے راجر فیڈرر کو ۵۔۷، (۳۔۷)۶۔۷، ۵۔۷ اور ۱۔۶ سے شکست دی اور اپنے گرینڈ سلم خطابوں کی تعداد دس کر لی۔ ۲۰۱۲ء میں بھی وہ فرنچ اوپن جیتے۔ اس مرتبہ فائنل میں ان کے مد مقابل نوان جوکووچ تھے جو ۴۔۶، ۳۔۶، ۶۔۲ اور ۵۔۷ سے فائنل میچ ہارے۔

رافیل نڈال اگلے سال یعنی ۲۰۱۳ میں دو گرینڈ سلم جیتے جس کے بعد ان کے گرینڈ سلم خطابوں کی تعداد تیرہ ہو گئی۔ انھوں نے فرنچ اوپن میں اپنے ہم وطن راجر فیڈرر کو سیدھے سیٹوں میں ۳۔۶، ۲۔۶ اور ۳۔۶ سے شکست دی۔ امریکی اوپن میں ان کا فائنل میں مقابلہ نواک جوکووچ سے ہوا جن کے خلاف وہ ۲۔۶، ۶۔۳ اور ۴۔۶ اور ۱۔۶ سے کامیاب ہوئے تھے۔ ۲۰۱۴ء میں رافیل نڈال صرف ایک گرینڈ سلم خطاب جیتے۔ انھوں نے اس سال نویں مرتبہ جیتا۔ فائنل میں وہ نواک جوکووچ کے خلاف ۶۔۳، ۵۔۷، ۲۔۶ اور ۴۔۶ اور سے جیتے تھے۔

رافیل نڈال ۲۰۱۵ء اور ۲۰۱۶ء میں کوئی بھی گرینڈ سلم خطاب نہیں جیت سکے۔ اس سال ان کی کارکردگی کافی خراب رہی تھی۔ ان دو سالوں میں وہ دو مرتبہ کوارٹر فائنل میں داخل ہوئے تھے۔ ۲۰۱۷ء میں وہ دو گرینڈ سلم خطاب جیت کر اپنے گرینڈ سلم خطابوں کی تعداد سولہ کرنے میں کامیاب ہوئے۔ انھوں نے فرنچ اوپن کے فائنل میں سوئٹزرلینڈ کے اسٹان کو بآسانی سیدھے سیٹوں میں ۲۔۶، ۳۔۶ اور ۱۔۶ سے شکست دی۔ امریکی اوپن میں وہ جنوبی افریقہ کے کیون اینڈرسن سے ایک آسان مقابلے میں ۳۔۶، ۳۔۶ اور ۴۔۶ سے فاتح رہے۔

رافیل نڈال نے ۲۰۱۸ء میں صرف فرنچ اوپن کا خطاب جیتا تھا۔ انھوں نے فائنل میں آسٹریا کے ڈومینک تھیم کو ۴۔۶، ۳۔۶ اور ۲۔۶ سے شکست دی تھی۔ اگلے سال اور فرنچ اوپن کے علاوہ امریکی اوپن بھی جیتے تھے۔ فرنچ اوپن کے فائنل میں انھوں نے ڈومینک تھیم کے خلاف ۳۔۶، ۵۔۷، ۱۔۶ اور ۱۔۶ سے کامیابی حاصل کی تھی جبکہ امریکی اوپن میں وہ روس کے ڈینیل میدویدیف کو پانچ سیٹوں کے ایک سخت مقابلے میں ۵۔۷، ۳۔۶، ۵۔۷، ۴۔۶ اور ۴۔۶ سے ہرانے میں کامیاب ہوئے تھے۔

گزشتہ سال رافیل نڈال نے کوئی گرینڈ سلم خطاب نہیں جیتا تھا

جبکہ ۲۰۲۰ء میں وہ فرنچ اوپن کا خطاب ریکارڈ ۱۳ویں مرتبہ جیتے تھے۔ انھوں نے فائنل میں نواک جوکووچ کو ۰۔۶، ۲۔۶ اور ۵۔۷ سے شکست دی تھی۔

آسٹریلین اوپن کا خطاب رافیل نڈال کا ۹۰واں خطاب ہے۔ انھوں نے ۱۲۷ مرتبہ فائنل میں داخلہ کے بعد اتنے خطاب جیتے ہیں۔ وہ ۳۷ مرتبہ فائنل میں ہارے ہیں۔ ابھی تک وہ ۳۸۵، ۱۲۱، ۱۲۷ امریکہ ڈالرز یعنی نو ارب چالیس کروڑ ۶۹ لاکھ ۸۲ ہزار ۴۹۰ روپے جیتنے میں کامیاب رہے ہیں۔ وہ ٹینس میں تیسرے سب سے زیادہ انعامی رقم جیتنے والے کھلاڑی ہیں۔ سب سے زیادہ رقم نواک جوکووچ نے جیتی ہے۔ انھوں نے اب تک ۲۶، ۷۵۶، ۱۵۴ امریکی ڈالرز جیتے ہیں۔ دوسرا مقام راجر فیڈرر کا ہے جواب تک ۳۳۹م ۵۹۵، ۱۳۰ ڈالرز جیتنے میں کامیاب رہے ہیں۔

اسپین کے شہر مانا کور، مالورکا میں ۳ جون ۱۹۸۶ء کو پیدا ہوئے رافیل نڈال پریرا نے ابھی تک جو ۱۲۴۷ میچ کھیلے ہیں ان میں ۱۰۳۸ میچوں میں جیت حاصل کی ہے اور ۲۰۹ میچوں میں شکست ہوئی ہے۔ انھوں نے گرینڈ سلم میں ۳۳۷ میچ کھیلے ہیں۔ ان میں سے ۸۹۸ میچوں میں وہ فاتح رہے ہیں اور ۴۱ میچوں میں شکست ہوئی ہے۔ فرنچ اوپن میں ان کی کارکردگی بے حد شاندار رہی ہے۔ انھوں نے سال کے اس دوسرے گرینڈ سلم میں تیرہ مرتبہ خطاب جیتا ہے۔ اتنی زیادہ مرتبہ کوئی دوسرا کھلاڑی فرنچ اوپن نہیں جیتا ہے۔ اس گرینڈ سلم میں انہیں صرف تین میچوں میں شکست ہوئی ہے۔ انھوں نے کل ۱۰۸ میچ کھیلے ہیں جن میں سے ۱۰۵ میچوں میں وہ فاتح رہے ہیں۔

1407, Qasimjan Street,
Ballimaran, Delhi-110006

پانچ سب سے زیادہ گرینڈ سلم خطاب جیتنے والے کھلاڑی:

کھلاڑی	وقفہ	آسٹریلین اوپن	فرنچ اوپن	ومبلڈن	امریکی اوپن	کل
رافیل نڈال (اسپین)	۲۰۲۲ء۔۲۰۰۵ء	۲	۱۳	۲	۴	۲۱
راجر فیڈرر (سوئٹزرلینڈ)	۲۰۱۸ء۔۲۰۰۳ء	۶	۱	۸	۵	۲۰
نواک جوکووچ (سربیا)	۲۰۲۱ء۔۲۰۰۸ء	۹	۲	۶	۳	۲۰
پیٹ سمپراس (امریکہ)	۲۰۰۲ء۔۱۹۸۸ء	۲	—	۷	۵	۱۴
رائے ایمرسن (آسٹریلیا)	۱۹۷۲ء۔۱۹۵۴ء	۲	۶	۲	۲	۳۱

میری آواز ہی پہچان ہے

وامق ضیا ......

ننھے ساتھیو! مجھے امید ہے کہ آپ سب کو علم ہوگا کہ پچھلے دنوں ہمارے ملک میں ایک افسوس ناک واقعہ ہوا ہے۔ سنیما اور موسیقی کو پسند کرنے والوں کے لیے یہ حادثہ اور بھی بڑا تھا۔ میں بات کر رہا ہوں کوئلِ ہند لتا منگیشکر کے انتقال کی۔ لتا جی کو سب پیار سے لتا دیدی کہتے تھے۔ ان کی پیدائش ۸ ستمبر ۱۹۲۹ء کو صوبہ مدھیہ پردیش کے شہر اندور میں ہوئی تھی۔ پنڈت دینا ناتھ منگیشکر اور ان کی اہلیہ شیونتی کے پانچ بچوں میں لتا دیدی سب سے بڑی تھیں، ان کا پیدائشی نام ہیما منگیشکر تھا، جسے انھوں نے بعد میں اپنے والد کے ایک ڈرامے کی کردار لتکا سے متاثر ہو کر رکھ لیا تھا۔ ان کے والد ڈرامے اور موسیقی کے فن میں ماہر تھے۔ ان کے گھر میں ان سے چھوٹے چار بھائی بہن ہیں مینا، آشا، اوشا اور ہردیناتھ منگیشکر۔ یہ چاروں بھی خود میں مکمل موسیقار ہیں بلکہ آشا منگیشکر (جو اپنی شادی کے بعد آشا بھونسلے ہو گئی تھیں) ان کی مہارت اور شہرت تو خود لتا دیدی کے مقابل ہے۔)

لتا دیدی کی تعلیم

لتا دیدی نے محض پانچ سال کی عمر میں اپنے والد سے موسیقی کی تعلیم حاصل کرنی شروع کی، ساتھ ہی ساتھ انھوں نے اپنے والد کے ڈراموں میں اداکاری کرنا بھی شروع کر دیا، لیکن ان کا اسکول کا سفر بہت ہی مختصر رہا۔ دلچسپی کی بات یہ ہے کہ وہ صرف ایک دن ہی اسکول گئی تھیں۔ اس واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے ایک گفتگو کے دوران انھوں نے خود بتایا تھا کہ وہ بچپن میں اپنی ایک رشتے دار کے ساتھ ان کے اسکول جاتی تھیں، جہاں اس اسکول کی استانیاں اکثر ان سے موسیقی سنتی تھیں اور بہت متاثر ہوتی تھیں۔ آخر کار انھوں نے اسی اسکول میں داخلہ حاصل کیا۔ پہلے ہی دن جب وہ اسکول گئیں تو وہ اپنی دس مہینے کی بہن آشا منگیشکر کو ساتھ لے کر گئیں، وہاں ان کے درجے میں ان کی استانی نے ان سے کہا کہ کسی کو بھی اپنے بھائی بہنوں کو وہاں لے جانے کی اجازت نہیں ہے اس لیے وہ بھی اپنی بہن کو لے کر اسکول نہیں آ سکتیں، اپنی بہن کو اسکول نہ لے جانے کی صورت میں انھوں نے اسکول نہ جانے کا فیصلہ کیا اور پھر کبھی اسکول نہیں گئیں، لیکن میرے پیارے ساتھیو! آپ سوچ رہے ہوں گے کہ اسکول نہ جا کر بھی انھوں نے کتنی الگ الگ زبانوں میں کتنے خوبصورت نغمے گائے ہیں تو اتنی زبانیں انھوں نے سیکھیں کہاں سے؟ تو میں آپ کو بتاؤں کہ مجبوری کی وجہ سے اسکول نہ جا پانے کی صورت میں بھی انھوں نے علم حاصل کیا۔ مراٹھی زبان کی ابتدائی تعلیم انھوں نے اپنے گھر کے ایک کارندے وٹھل سے حاصل کی، بچپن میں انھوں نے مراٹھی زبان مکمل طور پر اپنے گھر پر ہی سیکھی۔ انھوں نے ہندی زبان کا بنیادی علم اپنی ایک رشتے دار اندرا سے حاصل کیا اور ممبئی کے رہنے والے ایک شخص لیکھراج شرما سے ہندی کی اعلیٰ تعلیم حاصل کی۔ ان دونوں زبانوں کے علاوہ لتا دیدی نے اردو، پنجابی، بنگالی، تمل اور سنسکرت جیسی زبانیں بھی سیکھیں۔ مختلف زبانوں کی تعلیم نے انھیں اپنے موسیقی کے پیشے میں اونچائیاں حاصل کرنے میں بہت مدد کی۔

والد کا انتقال

کوئلِ ہند کے بچپن کی پریشانیاں اسکول کی تعلیم پر ہی ختم نہیں ہوئیں، جب وہ تھوڑی بڑی ہوئیں تب انھیں ایک بے حد دردناک حادثے سے دو چار ہونا پڑا۔ ۱۹۴۲ء میں دل کی بیماریوں کی وجہ سے ان کے والد دینا ناتھ منگیشکر کا انتقال ہو گیا۔ اس وقت لتا دیدی کی عمر محض ۱۳ سال تھی۔ گھر کی سب سے بڑی بیٹی ہونے کی وجہ سے پورے گھر کی ذمہ داریاں اس چھوٹی سی عمر میں چھوٹی سی لتا جی کے کندھوں پر آ گئیں۔

یتیم لتا اور ان کے بھائی بہنوں کو ان کے والد کے ایک دوست ونائک

دامودر کرناٹکی کی سرپرستی حاصل ہوئی۔ ماسٹر وناٹک کے نام سے جانے جانے والے وناٹک صاحب نو یگ چترپٹ نام کی ایک فلمیں بنانے والی کمپنی کے مالک تھے اور انھوں نے ہی ایک نوجوان لتا کو سنیما کو اپنا پیشہ بنانے میں مدد کی۔

سنیما اور لتا دیدی

ماسٹر وناٹک کی سرپرستی میں ۱۳ سال کی عمر میں ہی لتا دیدی کا فلمی سفر شروع ہوا۔ ۱۹۴۲ء میں آئی مراٹھی فلم کتی ہسال میں انھوں نے اپنا پہلا فلمی گانا گایا جس کا عنوان تھا ''ناچو یا گاڑے، کھیلو ساری مانی ہاؤس بھاری''۔ یہ فلم جب پردے پر لگی تو یہ گانا اس میں نہیں تھا، بے حد افسوس کی بات یہ ہے کہ لتا دیدی کا گایا پہلا گانا کبھی بھی کسی کو سننے کو نہیں ملا اور اب اس کا ریکارڈ ختم ہو جانے کی وجہ سے ہم یہ گانا کبھی سن بھی نہ سکیں گے۔ اس کے بعد انھوں نے چند اور مراٹھی فلموں میں گلوکاری اور اداکاری کی۔ انھوں نے اگلے ہی سال ۱۹۴۳ء میں ایک مراٹھی فلم ''گجا بھاؤ'' کے لیے اپنی زندگی کا پہلا ہندی گانا گایا جس کا نام تھا ''ماتا ایک سپوت کی دنیا بدل دے تو''۔

آخر کار ۱۹۴۵ء میں لتا دیدی ہجرت کر کے ممبئی پہنچ گئیں (جسے تب بمبئی کہا جاتا تھا)، وہاں جا کر انھوں نے استاد امان علی خان سے کلاسیکی موسیقی کی تعلیم حاصل کی۔ ہندی فلموں میں اپنا پہلا گانا انھوں نے ۱۹۴۶ء میں آئی فلم ''آپ کی سیوا میں'' کے لیے گایا اور وہ گانا تھا ''پا لیگون کر جوری''۔ یہاں سے ان کا سفر ممبئی میں بننے والی ہندی فلموں میں بھی شروع ہو گیا، انھیں لگاتار فلموں میں گلوکاری کا موقع ملتا رہا۔ ۱۹۴۸ء میں ایک اور اہم موڑ آیا جب موسیقار غلام حیدر نے لتا دیدی کو گلوکاری کی اعلیٰ تعلیم دی، انھی غلام حیدر کو لتا دیدی تا عمر اپنے باپ کا درجہ دیتی رہیں۔ ایک واقعہ یوں ہے کہ ایک فلم کے ہدایت کار نے جب اپنی فلم میں گانا گنوانے سے منع کر دیا اور ان کی آواز میں نقص نکالے تب غلام حیدر نے پیشین گوئی کی کہ ایک دن تمام فلمیں پیش کرنے والے اور ہدایت کار لتا دیدی سے گانے گنوانے کے لیے التجائیں کریں گے اور گڑگڑائیں گے اور دیکھیے ہوا بھی ایسا ہی۔ کہتے ہیں نہ کہ ہیرے کی پرکھ تو جوہری کو ہی ہوتی ہے۔ اسی دوران کسی فلم کے ایک گانے کو سن کر معروف اداکار دلیپ کمار نے ان کے اردو تلفظ اور انداز پر کچھ شبہ ظاہر کیا، اس واقعہ سے متاثر ہو کر اس کے بعد انھوں نے ایک شفیع نام کے استاد سے اردو زبان کی بھی تعلیم حاصل کی۔

لتا دیدی کی کامیابی

یوں تو لتا دیدی کو کئی فلموں میں کام مل رہا تھا اور وہ کئی نغموں کو اپنی گلوکاری سے سنوار چکی تھیں، لیکن ۱۹۴۹ء میں آیا وہ گانا جس نے انھیں بے حد کامیابی اور شہرت سے نوازا، اسی گانے کے ساتھ ان کا نام فلمی دنیا کے آسمان پر چمکنے والے سب سے نورانی ستاروں میں سے ایک ہو گیا۔ یہ گانا تھا ''آئے گا آنے والا''، جو کمال امروہی کی ہدایت میں بنی فلم ''محل'' کا حصہ تھا۔ اس گانے کو موسیقی دی تھی مشہور و معروف موسیقار کھیم چند پرکاش نے، جب کہ یہ گانا لکھا تھا نخشب صاحب نے۔ اس گانے کے بعد لتا دیدی نے دن دگنی رات چوگنی ترقی کی، ایک سے بڑھ کر ایک عمدہ گانے گائے، ہر بڑے ہدایت کار، اداکار اور موسیقار کے لیے انھوں نے گیت گائے۔ ہدایت کار اپنی فلموں میں خاص لتا دیدی کے گانے رکھواتے تھے اور سامعین لتا کے نام سے ہی گانے سنتے تھے اور پسند کرتے تھے۔ انھوں نے فلموں کے تمام گلوکاروں کے ساتھ بھی کام کیا جیسے محمد رفیع، کشور کمار، منا ڈے، مکیش وغیرہ وغیرہ۔ لتا اور رفیع کی جوڑی کی گلوکاری سے سجے گانے تو لوگوں کو بہت ہی پسند آتے تھے۔

عزت و اعزاز

۸ دہائیوں سے زیادہ لمبی پیشہ ورزندگی میں لتا دیدی نے ہندی سنیما کی تاریخ کے ایک بہت لمبے دور میں اپنی شرکت درج کی۔ انھوں نے روہنی بھاٹیہ جیسی قدیمی اداکارہ کے لیے بھی گانے گائے ہیں اور آج کے دور کی نئی اداکاراؤں کے لیے بھی گانے گائے ہیں جیسے کٹرینا کیف اور مادھوری دیکشت۔ ان کی اسی طویل پیشہ ورزندگی اور سنیما میں ان کی خدمات کے لیے ۲۰۰۱ء میں انھیں حکومتِ ہند کے سب سے عظیم اعزاز ''بھارت رتن'' سے نوازا گیا تھا، یہ اعزاز آج تک صرف دو گلوکاروں کو حاصل ہوا۔ جن میں پہلی تھیں عظیم گلوکارہ اور موسیقارہ اور کرناٹک موسیقی کی ماہر ایم ایس سب لکشمی اور دوسری تھیں لتا منگیشکر یعنی کہ ہماری لتا دیدی۔ اس سے پہلے انھیں پدم بھوشن اور پدم وبھوشن جیسے اعزاز بھی مل چکے تھے۔ ۱۹۸۹ء میں انہیں دنیائے

سنیما کا سب سے عظیم اعزاز ''دادا صاحب پھالکے ایوارڈ'' بھی مل چکا ہے۔ ان کے علاوہ لتا دیدی کو تین قومی فلم اعزاز (National Film Awards) بھی مل چکے ہیں۔

ان کو غیر حکومتی فلمی اعزازات سے بھی کئی بار نوازا گیا ہے، جن میں سب سے اہم تھے فلم فیئر اعزاز (Filmfare Awards) جس سے انہیں ۷ بار نوازا گیا اور مختلف اعزاز بھی انھیں لگاتار ملتے رہے۔

کچھ خاص باتیں

ننھے دوستو! ہم اب آپ کو لتا دیدی سے جڑی کچھ نایاب باتیں بتاتے ہیں۔ یہ باتیں شاید بہت زیادہ لوگوں کو نہ پتہ ہوں تو اس لیے یہ باتیں آپ اپنے گھر والوں اور دوستوں کو بھی ضرور بتائیے گا۔

☆ کیا آپ جانتے ہیں کہ اندور کے پاس لتا دیدی کو وقف ایک میوزیم ہے۔ یہ میوزیم سمن چورسیا نے چائے کی دکان سے ہوئی اپنی کمائی سے بنائی ہے۔ اس جگہ پرانے اور نایاب گانوں کے ریکارڈس موجود ہیں، جو سمن صاحب نے بڑی محنت سے الگ الگ شہروں سے اکٹھا کیا ہے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ ۱۹۶۵ء کے دوران ریڈیو پر گانے چلتے تھے اور وہی گانے سننے کے دوران سمن صاحب لتا جی کے بے حد عظیم مداح بن گئے، انہیں لتا دیدی سے کئی بار ملنے کا موقع ملا اور لتا دیدی کا لکھا خط سمن صاحب نے بہت عزت سے فریم کر کے اسی میوزیم میں لگا رکھا ہے۔ اگر کبھی آپ کا اندور جانا ہوا تو اپنے والدین سے گزارش کر کے اس میوزیم کو دیکھنے جانے کی کوشش کیجیے گا۔

☆ لتا منگیشکر کو اپنے گانے سننا کبھی پسند نہیں تھا، ان کا کہنا تھا کہ اگر وہ اپنا گایا گانا سنتی ہیں تو اس میں انھیں بہت خامیاں نظر آتی ہیں۔

☆ ۱۹۶۲ء کی جنگ کے بعد رام لیلا میدان میں انھوں نے ''اے میرے وطن کے لوگو'' نام کا گانا گایا تھا اور اس گانے کی جذباتی گلوکاری سن کر ہمارے تب کے وزیرِ اعظم جواہر لعل نہرو کی آنکھوں میں بھی آنسو آ گئے تھے۔

☆ ۱۹۵۵ء میں پہلی بار لتا دیدی نے ایک مراٹھی فلم ''رام رام پوہانے'' کے لیے موسیقی کی تھی، اس کے بعد وہ کئی مراٹھی فلموں کی موسیقار رہی ہیں۔

☆ ۱۹۷۴ء میں لتا دیدی نے لندن کے عظیم رائل البرٹ ہال (Royal Albert Hall) میں گلوکاری کا جلسہ کیا تھا۔ اسی جلسے کے ساتھ اس عظیم جگہ پر گلوکاری کرنے والی پہلی پیدائشی ہندوستانی بنی۔ یہ جلسہ بین الاقوامی سطح پر گلوکاری کا ان کا پہلا موقع تھا۔

☆ لتا دیدی کو کرکٹ کا کھیل بہت پسند تھا۔ وہ ہندوستانی کرکٹ ٹیم کی مداح تھیں۔ یہاں تک کہ ۱۹۸۳ء کے ورلڈ کپ کے بعد فاتح ہندوستانی ٹیم کی مالی امداد کے لیے ایک گلوکاری کا جلسہ کیا تھا۔ ان کے بیانوں کے مطابق وہ سچن تینڈولکر کو بھی بہت پسند کرتی تھیں۔

☆ ۲۰۱۹ء میں ہندوستانی فوج کو وقف کیا گیا گیت ''سوگندھ مجھے اس مٹی کی'' ان کا آخری گانا تھا، جس کے موسیقار تھے میوریش پائی۔

خراج عقیدت

ہماری لتا دیدی یعنی لتا منگیشکر صاحبہ کووڈ سے جڑی علالت کی وجہ سے ۶ فروری ۲۰۲۲ء کو اس دنیائے فانی کو الوداع کہہ گئیں۔ جو اس ملک کے تمام موسیقی اور فلم پسند کرنے والوں کے لیے یقیناً ایک بے حد تکلیف دہ حادثہ تھا، لیکن ہمیں یقین ہے کہ لتا دیدی اپنی گلوکاری اور اپنے گانوں کی وجہ سے ہمیشہ ہمارے دلوں میں زندہ رہیں گی۔ ہم اپنی اور ''بچوں کا ماہنامہ امنگ'' کی طرف سے اس عظیم فن کار کو تہہ دل سے خراج عقیدت پیش کرتے ہیں۔

B-1, 2nd Floor, Thokar No.7, Shaheen Bagh, Abul Fazal Enclave-II, Jamia Nagar, New Delhi-110025
Mob.: 9891522760

دلّی میں پارک

...... واعظ الرحمٰن صدیقی

پیارے بچو! کیا آپ نے کبھی سنا ہے کہ ایک اچھا بچپن اور بہتر مستقبل کے لیے اچھی پڑھائی بہت ضروری ہے لیکن ساتھ میں کھیلنا کودنا بھی بہت ضروری ہے۔ کھیلنے کودنے سے ہمارا مطلب موبائل والے کھیل یا ویڈیو والے کھیلوں سے نہیں ہے بلکہ ہم ان کھیلوں کی بات کر رہے ہیں جو آپ گھر سے باہر جا کر اپنے دوستوں کے ساتھ کھیلتے ہیں۔ اب موبائل پر آپ کرکٹ کھیل سکتے ہیں، بیڈمنٹن بھی، فٹ بال بھی کھیلا جا سکتا ہے لیکن آپ خود ہی بتائیے کہ میدان یا پارک میں یہ تمام کھیل کھیلنے میں کتنا زیادہ لطف آئے گا۔

بچو! باہر جا کر پارکوں میں ساتھیوں کے ساتھ کھیل کھیلنے میں مزہ تو آتا ہی ہے لیکن اس کے ساتھ ان تمام کھیلوں سے کئی اور فیض بھی حاصل کیے جا سکتے ہیں جیسے جسمانی کھیل کھیلنے سے صحت بہتر ہوتی ہے اور لوگ تندرست رہتے ہیں، پارکوں میں ہمیں مختلف قسم کے پیڑ پودے نظر آتے ہیں اور ہمیں ان کے بارے میں سیکھنے کا موقع ملتا ہے۔ مزید، دوستوں کے ساتھ کھیلنے سے ہمیں ٹیم (Team) میں دوسروں کے ساتھ مل کر کام کرنے کا سلیقہ بھی آ جاتا ہے اور سب سے بڑی بات یہ کہ آپ کو اپنے ہی جیسے اچھے بچوں کے ساتھ دوستی کرنے کا موقع ملتا ہے۔

ارے! یہ کیا ہوا؟ یہ مضمون تو دلّی کے اوپر ہونا تھا اور یہاں تمام باتیں پارکوں اور کھیلوں پر ہو رہی ہیں۔ آپ سوچ رہے ہوں گے کہ ایسا کیوں ہو رہا ہے؟ اور دلّی والے بچے تو یہ بھی سوچ رہے ہوں گے کہ یہ تو پارکوں کے بارے میں بات کر رہے ہیں اور یہاں دلّی میں تو ہمارے گھر کے آس پاس کھیلنے کے لیے کوئی پارک ہے ہی نہیں۔ تو میں آپ سب کو یہ جواب دوں گا کہ اس مضمون میں دلّی کے ہی بارے میں بات کر رہے ہیں اور اس مضمون میں ہماری خاص نظر رہے گی دلّی میں واقع کچھ پارکوں پر جہاں بچے اپنے گھر والوں یا دوستوں کے ساتھ جا کر مختلف کھیلوں اور مہم

چلڈرینس پارک (Children's Park)

جوئیوں (Adventures) کا لطف اٹھا سکتے ہیں۔

چلڈرینس پارک (Children's Park)

چلڈرینس پارک دلّی میں انڈیا گیٹ کے قریب بسا ہوا ہے۔ ۱۱۵ ایکڑ زمین میں بنے اس پارک میں بچوں کے کھیلنے کے لیے بہت بڑی جگہ ہے۔ اس کے ساتھ ہی یہاں بچوں کے جھولنے کے لیے الگ الگ طرح کے جھولے ہیں جن پر ایک وقت میں کئی بچے جھول سکتے ہیں اور لطف اٹھا سکتے ہیں۔ اس پارک میں دو موسیقی سے بھرے فوّارے بھی ہیں، جن میں سے ایک کا نام ''جنگل بک'' (Jungle Book) ہے، اس فوّارے پر روز اس کتاب سے جڑے کرداروں پر ایک ڈراما دکھایا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ اس پارک میں ایک قدرتی سامان کا مرکز ہے (Nature Centre) جس میں جنگلی زندگی سے جڑی CD اور magazine پائے جاتے ہیں اور تمام بچے ان سے علم اور فیض حاصل کرتے ہیں۔ اس جگہ بچوں کو فلمیں اور ویڈیوز دکھانے کا بھی معقول انتظام ہے۔ یہاں ایک انسان کی بنائی جھیل بھی ہے جس میں کشتیاں چلتی ہیں اور بچے اپنے ماں باپ کے ساتھ کشتی کی سواری کا مزہ لیتے ہیں۔ ان سب سے الگ اس چلڈرینس پارک کو بہت خوبصورت پیڑ پودوں سے بھی سجایا گیا ہے۔

چلڈرینس پارک گرمی کے دنوں میں صبح ساڑھے نو سے شام کے ساڑھے سات بجے تک کھلتا ہے اور ٹھنڈ کے دنوں میں شام ساڑھے پانچ بجے تک۔

نہرو پارک (Nehru Park)

دلّی کے چانکیہ پوری کے علاقے میں واقع نہرو پارک دلّی کے اہم مقامات میں سے ایک ہے۔ ملک کے اوّل وزیر اعظم جواہر لعل نہرو کے نام پر اس کا نام نہرو پارک رکھا گیا ہے، یہ پارک ۱۸۰ ایکڑ زمین پر بنایا گیا ہے۔ اس پارک کو نہرو جی کی یاد میں ۱۹۶۹ء میں بنایا گیا تھا۔ آج یہ نہرو پارک اسکولوں کی پکنک کے لیے بہت مشہور ہے اور اکثر یہاں اسکولوں کے بچے پکنک منانے آتے ہیں۔

نہرو پارک میں مشہور روسی نیتا لینن کی ایک بہت عالیشان مورتی لگی ہوئی ہے۔ آج کی تاریخ میں یہ پارک سخاوتی جلسوں کے لیے بھی بہت مشہور ہے۔ ہر صبح اور شام یہاں موسیقار قدرت سے جڑے راگ الاپتے ہیں۔ مختلف قسم کے پودوں کے لگے ہونے کی وجہ سے یہاں سال بھر الگ الگ طرح کے خوبصورت پھول نظر آتے ہیں اور یہ ان کی خوشبوؤں سے مہکتا رہتا ہے۔

نہرو پارک روز صبح چھ بجے سے رات آٹھ بجے تک کھلا رہتا ہے۔

ڈیئر پارک (Deer Park)

ڈیئر پارک بھی دلّی کے سب سے اہم قدرتی اثاثوں میں سے ایک ہے، اس پارک میں کئی ہرن پائے جاتے ہیں اور ہرن کو انگریزی میں ڈیئر (Deer) کہا جاتا ہے اسی لیے اس کا نام ہرن کے نام پر رکھا گیا تھا۔ ۱۱۴۰۰ ایکڑ سے زیادہ جگہ پر قائم یہ پارک جنوبی دلّی کے حوض خاص محلے میں واقع ہے۔

اس پارک کے آس پاس کئی تاریخی عمارتیں بھی موجود ہیں۔ ان میں سے تمام عمارتیں مغلوں سے بھی پرانے دور کی ہیں، کئی تاریخ دانوں کا ماننا ہے کہ یہ تمام عمارتیں خلجیوں، تغلقوں اور لودھیوں کے دور کے کی ہیں۔ کچھ لوگوں

ڈیئر پارک (Deer Park)

نہرو پارک (Nehru Park)

کا یہ بھی ماننا ہے کہ یہ پارک سب سے پہلے خلجی خاندان کی حکومت کے دور میں بنا تھا۔ ڈیئر پارک میں مختلف قسم کے پیڑ پودے پائے جاتے ہیں جن سے اس پارک کی خوبصورتی میں چار چاند لگ جاتے ہیں۔ تمام ہرنوں اور خوبصورت پیڑ پودوں کے علاوہ اس ڈیئر پارک میں ایک بہت ہی خوبصورت جھیل بھی ہے، جہاں سے غروب آفتاب اور طلوع آفتاب کا منظر دیکھنا اپنے آپ میں ایک بہت ہی خوبصورت تجربہ ہوتا ہے۔

ڈیئر پارک گرمیوں میں صبح پانچ بجے سے رات آٹھ بجے تک کھلا رہتا ہے اور ٹھنڈ میں صبح ساڑھے پانچ بجے سے شام سات بجے تک کھلا رہتا ہے۔

سندر نرسری (Sunder Nursery)

سندر نرسری مغلیہ دور کا ایک پارک ہے جسے پہلے عظیم باغ یا باغ عظیم کہا جاتا تھا۔ ۱۹۰ ایکڑ کی جگہ پر بنا یہ پارک دلّی کے نظام الدین علاقے میں دوسرے مغل بادشاہ ہمایوں کے مقبرے کے نزدیک واقع ہے۔ شیر شاہ سوری نے جو سڑک ہندوستان کو جوڑنے کے لیے امرتسر سے کلکتہ کے بیچ بنوائی تھی یہ سندر نرسری اسی پر بنی ہوئی ہے۔

اس سندر نرسری میں ۱۵ تاریخی عمارتیں موجود ہیں جن میں سے ۶ عمارتوں کو مشہور عالمی تنظیم یونیسکو (UNESCO) نے دنیا کے اہم ورثے میں شمار کیا ہے۔ دلّی کے بیچوں بیچ بنی یہ نرسری اپنے آپ میں قدرتی اثاثوں کا ایک اہم مجموعہ ہے۔ اس میں ۳۰۰ سے بھی زیادہ قسموں کے پیڑ پودے جاتے ہیں، ۸۰ سے زائد قسم کی چڑیاں موجود ہیں، یہاں تک کہ خوبصورت تتلیوں کی بھی ۳۶ سے زیادہ قسمیں موجود ہیں۔ اس سندر نرسری میں ایک بہت ہی خوبصورت جھیل موجود ہے۔ یہ بچوں کی تفریح کے ساتھ ساتھ علم حاصل کرنے کا بھی ایک بہت اچھا مقام ہے۔

سندر نرسری صبح آٹھ بجے سے شام چار بجے تک کھلی رہتی ہے۔

مہاتما گاندھی پارک (Mahatma Gandhi Park)

انگریز جتنے شہروں میں تھے، ان تمام شہروں میں اپنے آرام کے لیے ایک کمپنی باغ (Company Bagh) بناتے تھے۔ دلّی میں یہ کمپنی باغ پرانی دلّی ریلوے اسٹیشن کے پاس چاندنی چوک میں واقع ہے۔ آزادی کے بعد اس خوبصورت پارک کا نام ہمارے باپو مہاتما گاندھی جی کے نام پر رکھا گیا اور اسے مہاتما گاندھی پارک کہا جانے لگا۔

اس پارک میں بہت ہی خوبصورت پیڑ پودے موجود ہیں، اس پارک کی ہریالی دیکھ کر کسی کا بھی دل خوش ہوسکتا ہے، تمام پیڑ پودوں کے علاوہ یہاں گاندھی جی کی ایک بہت بڑی مورتی بھی لگائی گئی ہے۔ البتہ عام لوگوں کے لیے یہ پارک صرف اتوار کو کھلتا ہے لیکن ایک دن بھی یہ بچوں کا دل خوش کرنے کے لیے بہت ہی اچھی جگہ ہے۔

تو پیارے بچو! جیسا کہ میں نے بتایا کہ دلّی میں آپ لوگوں کے گھومنے پھرنے اور کھیلنے کودنے کے لیے ایک سے بڑھ کر ایک خوبصورت اور وسیع پارک واقع ہیں۔ جہاں جا کر آپ بہت اچھا وقت گزار سکتے ہیں، دوستوں کے ساتھ کھیل سکتے ہیں اور نئی نئی باتیں سیکھ سکتے ہیں۔ تو آپ یہاں ضرور جائیے اور ہریالی اور تمام قدرتی مناظر سے لطف اندوز ہوئیے۔

P-123, 1st Floor, Gali No.1, Pahalwan Chowk,
Batla House, Jamia Nagar, New Delhi-110025
Mob.: 8860451938

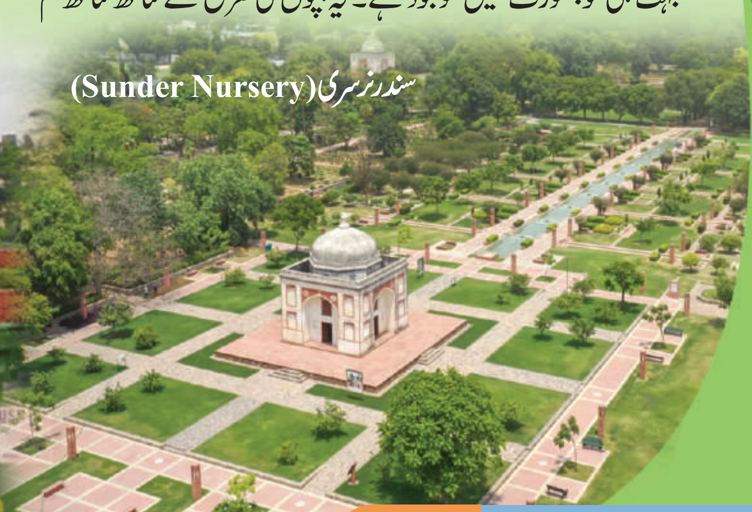

سندر نرسری (Sunder Nursery)

مہاتما گاندھی پارک (Mahatma Gandhi Park)

انسانیت

اسکرپٹ، کارٹونسٹ: سیدواجدعلی شاہ جیلانی
رنگ سازی: واصف جمال

رمضان کا مہینہ تھا۔ آج منجھلا روزہ تھا۔ دانش نے روزہ رکھا تھا۔ دانش کی دادی بھی روزے سے تھیں۔ بہو کے روکنے کے بعد بھی پوتے کے لیے کچھ خریداری کی غرض سے مارکیٹ میں آئی ہوئی تھیں۔ اچانک ان کے کانوں میں کسی بچے کی چیخ سنائی پڑی۔ وہ فوراً اس طرف دوڑیں۔ وہاں پہنچ کر جو نظارہ دیکھا تو ان کی آنکھیں نم ہوگئیں۔ ایک بچہ حادثہ کا شکار گھائل خون سے لت پت چیخ رہا تھا۔ لوگ موبائل سے فوٹو کھینچ رہے تھے۔ بھیڑ لگی تھی، مگر کسی کو اس بچہ کی جان کی پروا نہیں تھی۔ خون تیزی سے بہہ رہا تھا۔ لوگ تماشائی بنے ہوئے تھے۔

......ارے جس کے دل میں رحم ہوتا ہے وہ تو جانور کے بچہ پر بھی رحم کھالیتا ہے۔
......کیا تم میں سے کوئی ایسا نہیں جو اس تڑپتے گھائل بچہ پر رحم کرے، کیا سب بے اولاد ہو؟......
......ذرا سوچو! اگر حادثہ کا شکار تمھارا کوئی اپنا ہوتا تو کیا اسی طرح ویڈیو بناتے رہتے، فوٹو کھینچتے رہتے۔ انسان ہو انسان بننے کی کوشش کرو۔
لیکن سب خاموش بت بنے کھڑے رہے۔
ایک شخص بھیڑ میں سے بولا۔
اماں! آپ رحم کا پاٹھ تو خوب پڑھا رہی ہو، خود کیوں نہیں کر رہی ہو؟
تو صحیح کہہ رہا ہے بیٹا! میں ہی کرتی ہوں۔ ایسا معلوم پڑتا ہے انسانیت ختم ہوگئی ہے۔
دادی فوراً بھیڑ سے باہر نکلیں۔

......اور ایک آٹو رکشا والے کے پاس آ پہنچیں۔
بھیا! ایک بچہ حادثہ کا شکار تڑپ رہا ہے، اُسے جلدی اسپتال لے جانا ہے، جو پیسہ لوگے دوں گی۔
بہن! پیسہ کی بات نہیں ہے، اذان ہونے والی ہے میں روزے سے بھی ہوں۔ نماز ادا کرنے جا رہا ہوں۔ آپ کسی اور کو دیکھ لیں۔
بھیا! روزے سے تو میں بھی ہوں۔ بچہ کی حالت بہت نازک ہے، رحم کرو۔ اللہ اجر دے گا۔ پتہ نہیں اللہ کو کون سی ادا پسند آجائے
آپ صحیح فرما رہی ہیں، مگر میں مجبور ہوں۔
محروم ہو کر دادی دوسرے آٹو کی تلاش میں آگے چلدیں۔
آٹو والا سوچ میں پڑ گیا۔
اللہ کو رحم کرنے والا پسند ہے، بڑا اجر دیتا ہے اور رمضان ماہ میں تو کئی گنا زیادہ......
......کہیں اللہ تعالیٰ مجھے آزمائش میں تو نہیں ڈال رہا ہے۔
اُسے اپنی اماں کی ہدایت یاد آئی۔
وہ فوراً دادی کی جانب دوڑا۔ جو ابھی کچھ دور ہی گئی تھیں۔
بہن......بہن ٹھہرو! میں ہی اُسے لے کر چلتا ہوں۔
یا میرے اللہ! تیری حکمت کا جواب نہیں ہے، جس سے کام کرانا ہوتا ہے تو اس کے دل میں رحم پیدا کر دیتا ہے۔
اور اُس نے فوراً بھیڑ میں گھس کر بچے کو اُٹھایا اور لے کر روانہ ہوگیا۔

وہ ایک پرائیویٹ شفاخانہ جو قریب ہی تھا بچے کو لے کر پہنچا۔
بھیا! کتنے پیسے ہوئے...... ارے! بولو، یہ لو دو سو روپے سنبھالو۔
رکھ لو! میں کوئی پیسہ نہیں لوں گا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ اس نیک کام میں مجھے شامل کر کے بڑی عنایت کی ہے۔ کیا آپ مجھے اس سے محروم رکھنا چاہتی ہیں؟
HOSPIT
100
......اور اس نے پیسے نہیں لیے۔
فوراً بچہ کو اُٹھایا اور شفاخانہ کے ایمرجنسی وارڈ کے ڈاکٹر کے پاس پہنچا۔ ڈاکٹر نے بچہ کا فوراً معائنہ کیا۔ معائنہ کے بعد اس نے کہا۔
بچہ نہایت نازک حالت میں ہے۔ اللہ نے اگر زندگی لکھی ہے تو بچے گا ورنہ آخری اسٹیج مان کر چلیے۔ خون بہت نکل چکا ہے۔
یااللہ! بچہ پر رحم فرما۔
دادی دل ہی دل میں اللہ سے دعا مانگ رہی تھیں۔
آپ اس بچہ کی کون ہیں؟
میں تو اس بچہ کی کوئی بھی نہیں ہوں۔ مجھے تو یہ بھی پتہ نہیں کہ یہ بچہ کس کا ہے؟ صرف انسانیت کے ناطے اسے لے کر آئی ہوں۔
......ہاں اس کے ساتھ کوئی رشتہ ہے تو انسانیت کا رشتہ ہے۔ آپ پیسہ کی بالکل فکر نہ کریں جو ہوگا میں دوں گی۔
یہ عورت ہے یا کوئی فرشتہ؟
ڈاکٹر حیران تھا۔

ٹھیک ہے۔ ہم فوراً علاج شروع کرتے ہیں، آپ اپنے نام سے فوراً ایک ہزار روپے کاؤنٹر پر جمع کرائیں۔
ابھی کراتی ہوں
ایک ہزار روپیہ آٹو والے کو دیتے ہوئے کہا۔
بھیا! یہ ایک ہزار روپے لو اسے صدیقن کے نام سے جمع کرا آؤ۔
آٹو والا فوراً ایک ہزار روپے کاؤنٹر پر جمع کرا کے لوٹا اور رسید دینے کے بعد۔
بہن! اگر اجازت ہو تو میں چلوں، ابھی وقت ہے، پاس والی مسجد میں ان شاءاللہ مجھے نماز مل جائے گی۔
ہاں۔ ہاں بھائی جاؤ۔ بچہ کے لیے دعا کرنا۔ بہت بہت شکریہ۔
......ابھی آٹو والا گیا بھی نہیں تھا کہ ڈاکٹر نے مخاطب ہو کر کہا۔
فوراً خون چاہیے۔
OPERATION THEATRE
آپ میرا خون لے لیں۔
جتنا درکار ہو میرا بھی خون لے لیں۔
یہ قدرت کا ایک کرشمہ تھا یا اتفاق، دونوں کا خون بچہ کے خون کے گروپ سے میل کھا گیا۔

یہ دوائیں اور انجکشن جو پرچہ میں لکھے ہیں، چاہئیں
منگاتی ہوں۔
پیسے اتنے نہیں تھے کہ دوا وغیرہ آسکیں۔
پرچی پکڑ کر سوچ میں پڑ گئی۔
ڈیبٹ کارڈ تو اچھا ہوا میں لے آئی ہوں۔ چلو اے ٹی ایم سے پیسے نکال کرلاؤں۔
اے ٹی ایم بوتھ کی تلاش کرتی ہوئی جب وہ اے ٹی ایم بوتھ کے قریب ہی پہنچی تھی کہ چکر سا آیا اور گر پڑی۔ ایک اسکوٹر سوار اجنبی شخص نے فوراً انھیں اٹھایا۔ تھوڑی ہی دیر میں انھیں ہوش آگیا۔
بیٹا! میں روزے سے ہوں۔ غش آیا گر پڑی۔ اب بالکل ٹھیک ہوں۔
ابھی کورونا ختم نہیں ہوا ہے گھر میں ہی رہیں نہ۔ آپ تیز دھوپ میں گھوم رہی ہیں۔ عمر کا ہی خیال کریں۔
بیٹا! تم صحیح کہہ رہے ہو۔ ایک حادثہ کا شکار بچہ سڑک پر پڑا تھا اسے شفاخانہ لے کر آئی تھی۔ دواؤں وغیرہ کے لیے پیسے کم پڑ گئے تو اے ٹی ایم سے نکالنے کے لیے چلی آئی۔
......خون بھی دیا ہے اور روزے سے بھی ہوں، چکر آ گیا۔
یہ تو آپ نے بہت بھلا کام کیا ہے۔ آپ پیسے نکال لیں میں شفاخانہ تک چھوڑ دوں گا۔
پیسے نکالنے کے بعد دوا وغیرہ لیں۔

اجنبی شخص اپنے اسکوٹر سے دادی کو شفا خانہ تک لے آیا۔ پھر اسے کیا سوجھی۔ اس نے کہا۔
HOSP
جب یہاں تک آپ کو لے آیا ہوں، چلیں آپ کو بیڈ تک بھی چھوڑ کر آتا ہوں۔
ارے بیٹا! اب میں بالکل ٹھیک ہوں۔ تم جاؤ۔ بڑی مہربانی تمھاری۔
دادی کے بار بار منع کرنے پر بھی وہ شخص نہیں مانا
وہ اجنبی شخص جیسے ہی بیڈ کے نزدیک پہنچا بچہ کو دیکھ کر اس کی دل دہلانے والی چیخ نکل گئی۔
ارے یہ تو میرا راجو ہے۔
بچہ سے لپٹ کر وہ زار زار رونے لگا۔ وہ اس کا بیٹا تھا۔
اماں! میں آپ کے اس احسان کا بدلہ کیسے چکا پاؤں گا؟ آپ نے تو میرے بیٹے کو نئی زندگی دلا دی۔
بیٹا! کچھ مت سوچو، میں نے کوئی احسان نہیں کیا بلکہ انسان ہونے کے ناطے اپنا فرض ادا کیا ہے۔
اماں! اگر وقت پر آپ اسے لے کر نہیں آتیں تو بڑی مرادوں والا میرا راجو نہیں بچتا۔ اس کی ماں اور میں بھی اس غم کو برداشت نہیں کر پاتے، میں نے فرشتے تو نہیں دیکھے مگر آج آپ کے روپ میں ایک فرشتہ دیکھ رہا ہوں۔

35 Seva Sadan Block Complex-12, 1st Floor, Street No.1, St. No. 1, Mandawali, Fazalpur, Delhi-110092 | Mob.: 8800972366

اپریل فول بنایا!

......رئیس صدیقی

ابھی آدھی سے زیادہ رات گزری تھی کہ نہ جانے کیوں اور کیسے میری آنکھ کھل گئی۔

میں نے بہت کوشش کی کہ سو جاؤں، مگر نیند تھی کہ کسی طرح آنے کو راضی نہ تھی۔

میں نے لائٹ آن کی اور گھڑی دیکھی تو وہ صبح کے چار بجا رہی تھی۔ اچانک لیٹے لیٹے میں اُٹھ بیٹھا اور نئی نئی شرارتیں ذہن میں جنم لینے لگیں۔ بہت غور وفکر کے بعد میں نے یہ طے کیا کہ آج کچھ شرارتیں کرنی چاہئیں کیوں کہ آج تو اسی کا دن ہے۔ بس پھر کیا تھا۔

''چور چور...... چور'' چلّاتے ہوئے میں اپنی امی کے پلنگ پر منہ کے بل دھڑام سے گر پڑا۔ آواز اتنی تیز تھی کہ ان کے ساتھ ساتھ۔۔۔سبھی بہن بھائی بھی جاگ اٹھے اور ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے۔ چونکہ گھر پر والد صاحب نہیں تھے اس لئے ذرا امی بھی ڈریں اور فوراً سبھی کمروں کی لائٹ روشن کی اور پھر میرے کمرہ کا جائزہ لیا۔ میرے کمرہ میں چور تو چور ایک چوہا بھی نظر نہ آیا۔

کہاں ہے چور؟۔ جو چور چور چلّا رہے ہو!۔امی بڑبڑائیں۔

وہ سوالات پہ سوالات کئے جا رہی تھیں اور میں بالکل خاموش اور گُم صم بیٹھا ہوا تھا۔

اس طرح چند لمحے گزر گئے۔ اچانک میں نے ایک زوردار قہقہہ لگایا۔ اب تو سب لوگ اور ڈر گئے۔

کیا بات ہے رئیس؟۔امی نے مجھے جھنجھوڑا۔

ارے واہ بھئی واہ۔۔۔آپ لوگ اس قدر ڈرپوک ہیں! میں نے تعجب ظاہر کرتے ہوئے کہا۔

بھیا ڈرنے کی تو بات ہے۔ میری چھوٹی بہن ناہید بولی۔

ارے پگلی آج فرسٹ اپریل ہے۔ میں نے اپنی معلومات کا اظہار کیا۔

اچھا تو آج آپ نے فرسٹ اپریل کا فائدہ اٹھاتے ہوئے ہم سب کو فول (بیوقوف) بنایا ہے۔ میری بہن فردوس بولی۔

جی ہاں، بہت دیر کے بعد آپ سمجھیں۔

یہ کہتے ہوئے میں اپنے کمرے کی طرف لپکا تا کہ میں امی کی خاطر تواضع سے محفوظ رہ سکوں۔

ابھی صبح دس بجے تھے کہ میں نے اپنی شرارتوں کا نشانہ بنانے کے لئے چند دوستوں کو منتخب کیا۔ میں نے اپنے دوست عاصم کے ذریعہ اپنے محلے کے ہوٹل کے مالک قمر بھائی کو یہ اطلاع دی کہ ممبئی سے ٹرنک کال آئی ہے ۔جلدی آجاؤ۔

قمر بھائی کا ہوٹل اپنی سبزی پوری کے لیے مشہور تھا۔ وہ اپنے گاہکوں کو چھوڑ کر میرے پاس بھاگتے ہوئے آئے۔

قمر بھائی وقت ختم ہو رہا تھا اس لئے آپ کے بھائی صاحب نے آپ کے نام ایک پیغام لکھوانے کے بعد فون رکھ دیا۔

میں نے ایک کاغذ قمر بھائی کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

انھوں نے جلدی سے پرچہ کھولا۔ ایں فرسٹ۔۔اپریل۔۔۔فول! انھوں نے پڑھتے ہوئے میری طرف دیکھا۔

قمر بھائی، گستاخی معاف۔ آج پہلی اپریل ہے۔ میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ وہ بھی مسکراتے ہوئے چلے گئے۔

پھر میں نے سوچا کہ بھئی کیوں نہ آج کسی رشتہ دار کو فول بنایا جائے۔ چنانچہ میں دوڑا دوڑا اپنی ممانی جان کے یہاں پہنچا اور ہانپتے ہوئے بولا:

ممانی! ممانی! میری امی کی طبیعت بہت خراب ہے۔ جلدی چلئے۔ آپ کو بلایا ہے۔

گھبراہٹ اور پریشانی کی ایکٹنگ کرتے ہوئے میں نے کہا۔

ممانی ہائے اللہ کرتے ہوئے پان وڈلی وغیرہ کا بٹوہ سنبھالنے لگیں۔

میں موقع پا کر اسی بیچ امی کے پاس آیا اور ہانپتے ہوئے بولا۔

امی! امی! ممانی کو دورہ پڑ گیا ہے۔ جلدی چلئے۔ ماموں ڈاکٹر کو بلانے گئے ہوئے ہیں۔

ارے!۔۔ اچھا جلدی سے رکشہ بلاؤ۔ امی نے حکم دیا۔

میں جلدی سے رکشہ لے کر آیا۔ ابھی ہم رکشہ پر بیٹھ ہی رہے تھے کہ ممانی کا رکشہ آ گیا۔ دونوں ایک دوسرے کا حیرت سے منہ تک رہے تھے اور میں ''اپریل فول'' بنایا کہہ کر وہاں سے بھاگ نکلا۔

پھر میں سامنے ٹیلر ماسٹر صاحب کے پاس گیا اور بولا:

ماسٹر جی! رشید بھائی نے آپ کو یاد فرمایا ہے۔ شیروانی کی ناپ لینی ہے۔

ماسٹر صاحب نے اپنا انچی ٹیپ وغیرہ سنبھالا اور رشید بھائی کے پاس آ گئے۔ رشید بھائی کسی حساب کتاب میں مصروف تھے۔

بھئی جلدی کرو، ہمیں ایک اہم کام سے جانا ہے۔ چونکہ دونوں گہرے دوست ہیں، اس لئے وہ بلا تکلف بولے۔

کیا مطلب ماسٹر صاحب؟ رشید بھائی ذرا فکرمند ہوئے۔

بھئی شیروانی کی ناپ دو گے یا نہیں؟ ۔ تم نے رئیس کو بھیج کر مجھے ارجینٹ بلوایا ہے۔ ماسٹر صاحب بیزار ہوتے ہوئے بولے۔

رشید بھائی نے میری طرف دیکھا۔ میں ہنسی نہ روک سکا۔ رشید بھائی سمجھ گئے۔

بھائی جایئے...... آج فرسٹ اپریل ہے۔ رئیس نے آپ کو فول بنایا ہے۔

ماسٹر صاحب کھسیا گئے مگر بے چارے اپنی جھینپ مٹانے کے لئے قہقہہ لگانے لگے۔

قریب چار بج رہے ہوں گے۔ میں نے فیصلہ کیا کہ اب کسی کو فول نہ بنایا جائے...... آج لوگ بہت فول بن چکے۔ چنانچہ میں پڑھنے بیٹھ گیا۔

کچھ دیر کے بعد دروازے کی گھنٹی بجی۔ میں باہر آیا تو شکیل کو کھڑا پایا۔

ارے بھئی خیریت تو ہے؟ کہو، کیسے آنا ہوا؟ میں نے پوچھا۔

رشید بھائی نے پرویز بھائی کانپور والوں کا فون نمبر پوچھا ہے۔ اس پرچہ پر لکھ دو۔

شکیل نے کاغذ بڑھاتے ہوئے کہا۔

میں نے پرچہ لیا اور اس کو کھولتے ہوئے اپنے کمرے کی طرف بڑھا۔

''تمہارا چچا......!''

اچھا تو میاں شکیل نے مجھے اپریل فول بنایا ہے۔ صبح سے میں لوگوں کو فول بنا رہا تھا اور یہ میاں مجھ کو بنا گئے۔ خیر کوئی بات نہیں۔۔۔ میرا نام بھی رئیس ہے۔

یہ سوچتے ہوئے میں باہر آیا تا کہ کسی طرح سے شکیل کو بھی اپریل فول بنا سکوں، مگر شکیل وہاں سے جا چکا تھا۔

تمام ہوشیاری کے باوجود، اس طرح بیوقوف بننا مجھے بہت کھلا لیکن اسی وقت میرے اندر یہ احساس جاگا کہ میں بھی تو آج صبح سے لوگوں کو اپریل فول بنا رہا تھا۔ ان کا بھی دل اسی طرح دُکھا ہوگا۔ وہ بھی اسی طرح شرمندہ ہوئے ہوں گے۔

پس اسی وقت میں نے یہ عہد کیا کہ اب میں کبھی بھی، کسی کو بھی اپریل فول نہیں بناؤں گا!

302/11, Shahjahanabad Apartments,
Sector-11, Dwarka, New Delhi-110075
Mob.: 9810141528

وقت کی چوری

......ڈاکٹر سید اسرار الحق سبیلی

مدرسہ کا سالانہ جلسہ جاری تھا، سب سے آخر میں مدرسہ کے ناظم صاحب مائک پر جلوہ افروز ہوئے، انھوں نے اپنی صدارتی تقریر میں بچوں کی تعلیمی کارکردگی کا جائزہ لیا۔نصاب کی تکمیل اور امتحان میں بچوں کے بہتر مظاہرہ پر اطمینان کا اظہار کیا، اس کے ساتھ ہی انھوں نے طلبا کو غیر نصابی کتب اور اخبار ورسائل کے مطالعہ اور مضامین و کہانیاں لکھنے کے لیے وقت نکالنے بلکہ اس کے لیے تھوڑی چوری کی ترغیب دی۔

چوری کا نام سنتے ہی بچے چونک پڑے کہ آج ناظم صاحب کو کیا ہوگیا ہے کہ آج وہ ہمیں چوری سکھا رہے ہیں۔ انھوں نے فرمایا: بچو! چوری بہت بری چیز ہے، لیکن آج میں تمھیں ایک ایسی چوری بتاؤں گا، جو ہرگز بری نہیں ہے، اس چوری کے ذریعہ تمھاری شخصیت میں چار چاند لگ جائیں گے، تمھارا نام روشن ہوگا، تم دنیا کے بڑے آدمیوں میں شمار کیے جاؤ گے اور وہ ہے وقت کی چوری۔

تم درسی کتب، کھیل کود، فضول دوستی اور مٹرگشتی سے تھوڑا وقت چرا کر اگر کتب خانہ کی کتب ورسائل اور اخبارات کے مطالعہ میں صرف کرو گے اور اپنے وسیع مطالعہ کی روشنی میں مضامین اور کہانیاں وغیرہ تحریر کرو گے تو تمھارا شمار مصنفین اور اہل قلم میں ہوگا اور ایک دن تم بڑے مصنف، مترجم، محقق، شاعر، ادیب، فلسفی اور قائد و مفکر کی حیثیت سے یاد کیے جاؤ گے، ناظم صاحب نے عبدالماجد دریابادی اور جوش ملیح آبادی کی مثال دی جو اسی طرح چوری چھپے غیر نصابی کتب و جرائد پڑھ کر اور لکھنے کی مسلسل مشق کر کے بڑے آدمی کہلائے۔

آج تمھارے والدین اور اساتذہ کو صرف تمھارے پاس ہونے کی فکر ہے، اگر تم پاس نہیں ہوئے تو تمھارے والدین اور اساتذہ کی بے عزتی ہوگی، اس لیے وہ تمھیں ہر وقت درسی کتب پڑھنے کا مشورہ دیں گے، لیکن یاد رکھو! امتحان میں پاس ہونا اور مضامین کو سمجھنا دو الگ الگ چیں ہیں، ایک بچہ اگر امتحان میں ۹۰۔۹۵ فی صد نمبرات حاصل کرتا ہے، تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس کو تمام مضامین پر عبور ہے، ہوسکتا ہے کہ اس نے محض رٹ کر امتحان کا پرچہ لکھا ہو۔

اس کے برخلاف جس بچہ نے رٹنے کے بجائے سمجھ کر اپنے الفاظ میں امتحان تحریر کیا ہو، ہوسکتا ہے کہ اس کو امتحان میں کم نمبرات حاصل ہوئے ہوں، لیکن ایسا بچہ آگے چل کر بہت ترقی کر جائے گا۔

اپنے الفاظ میں امتحانی پرچے تحریر کرنے کے لیے خود سے لکھنے کی مشق ضروری ہے اور یہ مشق مضمون نویسی، کہانی و نظم نویسی، ڈرامے، تقریر اور مباحثہ کے مقابلوں میں حصہ لینے اور اپنے طور پر مضامین اور کہانیاں وغیرہ لکھنے کی مشق اور اصلاح سے حاصل ہوتی ہے۔

آج بچے امتحان کا نام سنتے ہی گھبرا جاتے ہیں، اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ وہ مضمون کو سمجھ کر اپنے طور پر لکھنے کے بجائے رٹ کر امتحان کا پرچہ لکھتے ہیں اور امتحان ہال میں مارے ڈر کے بھول جاتے ہیں اور کسی طرح الٹا سیدھا لکھ کر پاس ہوجاتے ہیں، لیکن امتحان گاہ سے نکلنے کے بعد انھیں مضمون کا کچھ حصہ بھی یاد نہیں رہتا ہے۔

مگر جو بچے خود سے مضمون اور کہانیاں لکھنے کے عادی ہوتے ہیں، وہ بڑے سے بڑے امتحان میں شرکت کرنے سے نہیں گھبراتے اور ہمیشہ اچھے نمبرات سے کامیاب ہوتے ہیں۔

ناظم صاحب نے بچوں سے عہد لیا کہ وہ آئندہ سال سے صرف رٹ کر امتحان کا پرچہ نہیں لکھیں گے، بلکہ خود ہی سے امتحان میں اپنے الفاظ میں سوالات کے جوابات تحریر کریں گے اور اس کے لیے درسی کتب کے علاوہ معاون درسی کتب اور ادبی کتب و رسائل اور اخبارات کا مطالعہ ضرور کریں گے

اور اس کے لیے اپنے نظام الاوقات (ٹائم ٹیبل) میں سے تھوڑا وقت چوری کریں گے، نہیں چوری نہیں۔ اپنے نجی نظام الاوقات میں سے تھوڑا وقت اور چھٹیوں کے زمانہ میں زیادہ سے زیادہ وقت مطالعۂ کتب ورسائل میں صرف کریں گے۔

دوسرے سال کئی ہونہار اور لائق بچوں نے ناظم صاحب کے عہد پر عمل کیا، انھوں نے امتحان میں پچھلے سال کے مقابلے اچھے نمبرات حاصل کیے۔ ان کو لائبریری کی کتب ورسائل میں طرح طرح کے موضوعات پر دل چسپ مضامین، کہانیاں، ناول، ڈرامے اور شاعری پڑھ کر بہت مزہ آنے لگا، وہ رات کے بارہ بجے تک لائبریری میں رہتے اور چھٹیوں کے دنوں میں پورا دن مطالعہ کرنے یا لکھنے میں مصروف رہنے لگے، دوسرے بچے ان کو کتاب کا کیڑا کہہ کر چڑانے لگے، جب کہ وہ مدرسہ کے دیواری جریدوں (Wall Magazine) اور شہر کے اخبارات ورسائل میں اپنے مضامین اور کہانیاں دیکھ کر کافی خوش ہوتے اور اچھے سے اچھے رسائل میں اپنی تحریریں شائع کرانے کی خاطر چھٹیوں کے دنوں میں بھی زیادہ تر لکھنے پڑھنے میں وقت گزارتے۔ کسی نے سچ کہا ہے:

اس کو چھٹی نہ ملی جس نے سبق یاد کیا

مدرسہ کے ناظم صاحب چوں کہ خود مشہور کالم نگار اور کئی کتابوں کے مصنف تھے، وہ اپنے مدرسہ کے بچوں کی تحریریں اخبارات ورسائل میں دیکھ کر ان بچوں سے بہت خوش رہنے لگے اور ان کے لیے خصوصی اسکالرشپ بھی منظور کر لی گئی۔

Asst. Professor & Head of Uurdu Department,
Govt. Degree College, Siddi peet
Dist. Tilangana-502103

پڑھنے والی عینک

(ڈراما)

......ڈاکٹر افتخار انیس حمیدی

کردار: آنکھوں کا ڈاکٹر اقبال صدیقی: (عمر ۵۰ سال) حلیہ: ڈاکٹر کی سفید اپرن پہنے ہوئے۔

پہلا مریض: (عمر ۶۰ سال) سادے کپڑوں میں۔

مریضہ: (عمر ۳۰ سال) ساڑی میں۔

مریض: (عمر ۱۵ سال) اسکول یونیفارم میں

مریض: (عمر ۴۰ سال) دیہاتی

(پردہ اٹھتا ہے)

(اسٹیج پر کلینک پر آپٹیکل ورلڈ کا بورڈ لگا۔ کلینک بہت قرینے سے سجا ہے اسٹیج پر۔ ڈاکٹر اقبال صدیقی صاحب کی کرسی میز؛ ڈاکٹر کے سامنے مریض کے بیٹھنے کے لیے اسٹول سامنے آنکھوں کی جانچ کرنے کا بورڈ لگا ہے۔ آلات، اوزار، کمپیوٹر، لینس فریم اور تیار عینک کے ساتھ دوائیاں وغیرہ)

ڈاکٹر اقبال صدیقی صاحب اپنی کرسی پر بیٹھے ہیں، سامنے اسٹول پر ایک مریض بیٹھا ہے۔ ڈاکٹر مریض کی آنکھوں کی جانچ کر رہے ہیں۔

دوسرے مریض باہر انتظار کر رہے ہیں۔

ڈاکٹر (پہلے مریض سے): یہ دوا آنکھ میں چار بوندیں دن میں چار بار صبح دوپہر شام اور رات کو روز ڈالنی ہے۔ عینک لگائے رکھو۔ مرچ مسالہ کا پرہیز کرو۔ ایک ہفتہ بعد دکھانا۔

(پہلا مریض دوا لے کر باہر چلا جاتا ہے اور دوسرے مریض کو کمپاؤنڈر اندر بھیجتا ہے۔ اندر جا کر مریض ڈاکٹر اقبال صدیقی کے سامنے اپنی آنکھوں کی جانچ کے لیے بیٹھ جاتا ہے۔)

ڈاکٹر (دوسرے مریض سے): ''تم کو کیا شکایت ہے۔''

مریض (ڈاکٹر سے): ''ڈاکٹر صاحب میرا نمبر بدل گیا ہے، پڑھنے میں دقت ہو رہی ہے۔ آنکھیں چیک کر کے نئے لینس دے دیں۔''

ڈاکٹر (مریض سے): ''ایکسر سائز کرو۔ پنسل کی نوک کو دو تین منٹ تک دیکھو۔ ٹھنڈے پانی میں بورک ایسڈ سے آنکھ کی سینکائی کرو۔''

مریض دوا لے کر باہر نکل جاتا ہے۔ کمپاؤنڈر مریضہ کو اندر بھیجتا ہے۔ اتنے میں ایک مریضہ ڈاکٹر صاحب کے سامنے آنکھیں چیک کرنے کے لیے بیٹھ گئی۔ ڈاکٹر صاحب نے اس کی آنکھ چیک کر کے ایک عینک لگانے کو دیتے ہیں۔ مریضہ باہر چلی جاتی ہے۔ کمپاؤنڈر اگلے مریض کو اندر بھیجتا ہے۔

ڈاکٹر (تیسرے مریض سے): ''آپ کو کیا تکلیف ہے؟''

مریض (ڈاکٹر سے): ''جی! میں پڑھ نہیں سکتا۔''

ڈاکٹر (مریض سے): ''اچھا لو یہ عینک لگا لو اور سامنے لگے بورڈ کو دیکھو اور پڑھو۔''

مریض (ڈاکٹر سے): ''ڈاکٹر صاحب! میں پڑھ نہیں سکتا۔''

تیسرا لینس لگا کر۔

ڈاکٹر (مریض سے): ''یہ لگاؤ اور بورڈ کو پڑھو۔''

ہائی پاور کا لینس لگا کر عینک لگا کر

ڈاکٹر (مریض سے): ''لو اب پڑھو۔''

مریض (ڈاکٹر سے): ''میں اب بھی نہیں پڑھ پا رہا ہوں۔''

ڈاکٹر (مریض سے): ''ارے تمھاری آنکھوں میں کوئی خاص کمی معلوم نہیں ہوتی۔''

کچھ سوچتے ہوئے، ''ہوں!''

ڈاکٹر (مریض سے): ''آپ کو سامنے بورڈ پر صاف دکھ رہا ہے؟

مریض (ڈاکٹر سے): ''جی دکھ رہا ہے، بغیر عینک کے صاف دکھائی دیتا ہے۔''

مریض نے بڑی معصومیت سے جواب دیا۔

ڈاکٹر: ''اس پر کچھ لکھا ہے۔''

مریض: ''جی لکھا ہے۔''

ڈاکٹر: ''پڑھو۔''

مریض: ''جی! میں پڑھ نہیں سکتا۔''

ڈاکٹر (مریض سے): ''ارے! آپ کب سے نہیں پڑھ پا رہے؟''

مریض: ''ڈاکٹر صاحب مجھے پڑھنے والی عینک ہی چاہیے، کیوں کہ میں تو انپڑھ ہوں۔''

یہ کہتے ہوئے مریض باہر چلا گیا اور ڈاکٹر اپنا سر پکڑ لیتا ہے۔

---پردہ گر جاتا ہے۔

196 Chilla Amroha,
Uttar Pradesh-244221
Mob.: 9719308437

جوابات معلومات کی کسوٹی

۱۔ ممبئی ۲۔ این۔بی۔رَمنا ۳۔ سکھ ۴۔ بی۔این۔راؤ ۵۔ جنوبی کوریا ۶۔ مولانا محمد حسین آزاد

۷۔ محمد بن قاسم ۸۔ مولانا ابوالکلام آزاد ۹۔ مردکا ۱۰۔ ۱۹۲۸ء کا امسٹرڈم اولمپک ۱۱۔ سپریم کورٹ ۱۲۔ مہابھارت

۱۳۔ گیا (بودھ گیا) ۱۴۔ نیرج چوپڑا ۱۵۔ دینار ۱۶۔ نیوزی لینڈ ۱۷۔ گوگل (Google) ۱۸۔ بگ بین

۱۹۔ جیک ما (Jack Ma) ۲۰۔ ۱۲ اکتوبر ۱۸۷۱ء ۲۱۔ ۱۵/ اپریل ۱۹۱۲ء ۲۲۔ Statue of Unity ۲۳۔ اپولو۔۱۱ (Appolo-11)

۲۴۔ کرنم ملیشوری ۲۵۔ ۲۷ مرتبہ

زندگی کا سبق

......نیلوفر سعدیہ

آج حمزہ اور اریبہ بے حد خوش تھے۔ان کی خوشی کا سبب یہ تھا کہ وہ اپنی امی کے ساتھ نانی کے گھر جارہے تھے اور خوشی ہوتی بھی کیوں نہ۔ایک تو گرمی کی چھٹیاں اور دوسرا یہ کہ ان دونوں کے خالہ زاد روحان اور منال بھی نانی کے گھر آنے والے تھے۔حمزہ تیرہ سال کا لڑکا تھا اریبہ اس سے دو سال چھوٹی تھی اور روحان و منال بھی حمزہ اور اریبہ کے ہم عمر تھے۔ان چاروں کے ایک ماموں جان بھی تھے جن کے دو بیٹے تھے عامل اور عاطف ۔عامل تو یونیورسٹی میں پڑھتا تھا اور عاطف حمزہ اور روحان کا ہم عمر تھا۔عامل کافی سنجیدہ اور سمجھ دار تھا جب کہ عاطف کافی چلبلا تھا۔عامل کے علاوہ باقی سب ہم عمر ہونے کی وجہ سے ایک ساتھ مزے کرتے اور جب بھی نانی کے یہاں آتے تو دھمال مچاتے ۔نانی اور ماموں، ممانی بھی سب کو خوب لاڈ سے رکھتے ۔ عاطف ہمیشہ کی طرح اس بار بھی اپنے پھوپی زاد کا بے صبری سے انتظار کررہا تھا۔اس کی خوشی کا ٹھکانا نہیں تھا۔شام ہونے سے پہلے سارے بچے نانی کے گھر پہنچ گئے ۔سب آتے ہی نانی سے لپٹ گئے ۔حمزہ کی امی اور روحان کی امی بھی اپنی ماں سے ملنے لگیں۔سارا گھر خوشی اور رونق سے بھرپور لگ رہا تھا۔ رات ہوتے ہی سب صحن میں آکر بیٹھے۔سارے بچے اپنے اسکول کے قصے سنا رہے تھے۔سارے بڑے ایک ساتھ بیٹھے تھے اور صحن میں آم کا درخت تھا جس پر بڑے اور مزے دار آم لگتے تھے۔آم کا درخت صحن کے درمیان میں لگا تھا اور ٹھنڈی ہوا کے جھونکوں سے آم کا درخت لہلہانے لگا۔ان سب سے الگ عامل ایک جگہ پر بیٹھا پڑھائی میں نہایت مصروف تھا۔اچانک ہی حمزہ نے غور کیا کہ بڑے لوگ بے حد آہستہ سے کوئی بات کرنے میں مشغول تھے۔حمزہ نے عاطف سے کہا :’’عاطف یہ ماموں جان اور امی سب کیا بات کررہے ہیں۔ وہ بھی اتنے آہستہ؟‘‘ حمزہ کے سوال پر سب بچوں نے بڑوں کی سمت ایک نظر ڈالی اور حمزہ کی بات سے اتفاق رکھتے ہوئے ہاں میں ہاں ملانے لگے۔روحان بولا:

’’ہاں دیکھوتو ذرا کتنے دھیمے دھیمے سے پھسپھسا رہے ہیں کچھ سنائی بھی نہیں دے رہا۔‘‘

عاطف نے گہری سانس بھر کر کہا ’’مجھے بھی نہیں پتہ۔ میں نے کتنی دفعہ ابو، امی اور دادی سے پوچھا پر سب نے بس ایک ہی جواب دیا کہ یہ بچوں کی بات نہیں ہے اور کچھ شرائط جاری کردیں۔‘‘

’’کیسی شرائط۔‘‘ اریبہ جواب تک چپ تھی وہ گھبرا کر بولی تو عاطف نے کہا:’’شرط نمبر ایک ۔کوئی گھر کے باہر کھیلنے نہیں جائے گا۔سارے بچے گھر میں ہی رہیں گے۔شرط نمبر دو: اگر مجبوراً گھر سے باہر جانا پڑے تو کسی بڑے کی موجودگی لازمی ہے۔شرط نمبر تین: رات کے وقت جب ایک بار سو گئے تو کمروں کے باہر کوئی نہیں آئے گا۔‘‘ سارے کے سارے بچے حیران رہ گئے ۔منال تو چونک کر بولی:’’پر ایسی شرطیں کیوں۔ہم بچے کہاں کھیلیں گے۔‘‘سب کے سب منہ اتار کر بیٹھ گئے اور حمزہ نے جھٹ سے کہا:

’’مجھے یہ بتاؤ کہ ایسی شرائط رکھنے کا سبب کیا ہے۔۔؟‘‘ سب عاطف سے پوچھنے لگے وہ خود انجان تھا کہ معاملہ کیا ہے سب کے بار بار پوچھنے پر اس نے کہا:

’’حمزہ میں بھی نہیں جانتا کہ معاملہ ہے کیا؟ مگر مجھے تو ان شرائط سے یہ اندازہ ہورہا ہے کہ یہ کوئی بھوت کا چکر ہے۔‘‘ یہ سنتے ہی اریبہ ڈر کے سمٹ گئی اور کانپتے ہوئے بولی:’’بھوت ۔مجھے تو بھوت سے بہت ڈر لگتا ہے۔‘‘

روحان جلدی سے بولا:’’ارے بھوت وغیرہ نہیں ہوتے یہ بس کہنے کی باتیں ہیں اور تم خواہ مخواہ ہی ڈر رہی ہو۔‘‘ روحان کی بات پر منال بولی: ’’اگر بھوت چڑیل نہیں ہیں تو پھر باہر جانے پر پابندی کیوں؟ ہم تو بچے ہیں گھر کے قریب والے میدان میں تو کھیل ہی سکتے ہیں۔‘‘ اس کی بات سن کر

عاطف نے فوراً کہا: ”نہیں ہرگز نہیں اب کوئی باہر نہیں کھیلے گا ابو نے سختی سے منع کر رکھا ہے اور مجھے ابو کی ڈانٹ نہیں کھانی۔“ سب چپ ہو گئے۔ کافی دیر بعد ان کے درمیان کی خاموشی کو حمزہ نے توڑتے ہوئے کہا: ”ٹھیک ہے کوئی بھی باہر نہیں جائے گا اور ہم سب ماموں جان کی بات مانیں گے البتہ مجھے وہ بات جاننی ہے جو ہمیں نہیں پتہ۔“ عاطف اس کی بات پر کہنے لگا: ”میں نے کافی کوشش کی پر مجھے نہ تو دادی نے بتایا نہ ہی امی یا ابو نے۔“ منال نے چٹکی بجائی اور کہا: ”میرے پاس ایک آئیڈیا ہے۔ کیوں نہ ہم لوگ عامل بھیا سے پوچھیں۔ وہ بھی تو بڑے ہیں۔ انھیں ضرور اس بارے میں پتہ ہوگا۔“ سارے بچوں کے چہرے کھل اٹھے اور پھر سب موقع تلاش کرنے لگے کہ کب عامل تنہا ملے گا۔ عاطف بھی اتاولا تھا یہ بات جاننے کے لیے۔ اس نے سوچا کہ عامل سے پوچھنے کا آئیڈیا اسے کیوں نہیں آیا اور پھر بچوں کو موقع مل ہی گیا عامل سے پوچھنے کا۔ وہ سب دبے قدموں سے عامل کے کمرے کی جانب بڑھنے لگے۔ دروازے سے اندر سب نے چھپ کر جھانک کر دیکھا تو عامل اپنی اسٹڈی ٹیبل پر پڑھائی کر رہا تھا۔ حمزہ نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ عامل نے آواز سن کر دروازے کی سمت دیکھا تو ایک ساتھ سب کو دیکھ کر چونکا۔ پھر مسکرا کر کہا:

”باہر کیوں کھڑے ہو تم سب اندر آجاؤ۔“ اس کے کہنے کی دیر تھی سب دھڑا دھڑ اندر گھس گئے اور عامل کی کرسی کے ارد گرد جمع ہو گئے۔ انھیں ایسے دیکھ کر عامل نے کہا: ”کیا بات ہے؟ تم سب پریشان کیوں لگ رہے ہو کوئی پرابلم ہے کیا؟“ سب بچوں میں سے روحان نے پہلے کہا: ”بھیا یہ ماجرا کیا ہے۔“ روحان کا منہ کھلتے ہی منال، اریبہ، حمزہ اور عاطف سب ایک ساتھ سوالات کا پٹارا کھول کر بیٹھے۔ عامل نے ان سب کی معصومیت پر ہنس دیا اور کہا: ”ارے بس بس کتنا بولتے ہو تم لوگ۔ اب آرام سے بولو کہ کس بات سے اتنے پریشان ہو۔ تم کہو حمزہ۔“ حمزہ کو اجازت ملتے ہی اس نے ساری بات بیان کر دی اور پھر سب عامل کے جواب کے منتظر تھے۔ عامل نے قدرے توقف سے سوچا پھر کہا: ”مجھے لگتا ہے کہ یہ بات تم لوگوں سے چھپانے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں تمھیں بتاتا ہوں کہ کیا ماجرا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ کچھ دنوں سے ہمارے شہر میں بڑی بڑی چوریاں ہو رہی ہیں۔ کوئی ان چوروں کو نہیں پکڑ پایا۔ اس معاملے میں پولیس بھی کچھ نہیں کر پائی۔ سارے چور بے حد شاطر ہیں۔ پیشہ ور چوروں کا گروہ ہے جو زیورات، پیسوں اور قیمتی چیزوں کی چوری کرتے ہیں اور ضرورت پڑنے پر کسی کو نقصان بھی پہنچاتے ہیں۔ پرسوں قریب والے محلے میں کسی گھر میں چوری کی اور ایک آدمی کو زخمی کر دیا انھوں نے۔“ عامل کی باتیں سب بڑی محویت سے سن رہے تھے۔ ”پھر کیا ہوا بھیا“ روحان نے خاموشی توڑی۔ تو عامل نے پھر کہنا شروع کیا: ”پھر کیا ہر رات وہ کسی نہ کسی گھر میں چوری کرتے ہیں اور رفو چکر ہو جاتے ہیں۔ اسی لیے ابو نے بچوں کا گھر سے باہر جانا بند کر دیا۔“

منال عامل کی بات ختم ہوتے ہی جلدی سے بولی: ”پر بھیا۔ چوریاں تو رات میں ہو رہی ہیں پھر ہم لوگ دن میں تو باہر جا ہی سکتے ہیں نہ۔“ عامل اس کے بھولے سوال پر مسکرایا اور کہا: ”منال بڑوں کو بچوں کی فکر ہوتی ہے اور اگر بچوں کو کوئی نقصان ہوتا ہے تو بڑوں کو تکلیف ہوتی ہے۔ اس لیے ہمیشہ بڑوں کا کہا ماننا چاہیے۔“ منال نے اثبات میں سر ہلایا اور سب سونے کے لیے چلے گئے۔ کچھ دنوں بعد سارے بچے گھر میں بور ہونے لگے تو سب نے ایک ترکیب سوچی کہ بچے گھر کے باہر اکیلے نہیں جا سکتے تو کسی کو ساتھ تو لے کر جا سکتے ہیں۔ سب کے سب عامل کے کمرے کی جانب بھاگے اور عامل کو منانے لگے۔ روحان اور حمزہ بہت اصرار کرنے لگے کہ وہ ان سب کو باہر گھمانے لے جائے۔ حمزہ عامل کا بازو پکڑ کر بولا: ”بھیا پلیز۔ چلیے نہ ماموں کو منائیے کہ وہ ہمیں آپ کے ساتھ باہر جانے دیں۔ پلیز۔“ اریبہ بھی ضد کرنے لگی۔

”ہاں بھیا! ہم آئس کریم کھانے چلتے ہیں نہ۔ ماموں جان سے اجازت لیجیے نہ۔ وہ آپ کو منع نہیں کریں گے۔ آپ تو بڑے ہیں۔ ہم آپ کے ساتھ جائیں گے تو کوئی پریشانی نہیں ہوگی۔“ عامل ان سب کو منع نہیں کر پایا اور جا کر اپنے ابو سے اجازت مانگنے لگا: ”ابو! آپ کہیں تو بچوں کو باہر گھما کر لے آتا۔ سب گھر میں بور ہو گئے ہیں۔“ عامل کے ابو نے کچھ دیر سوچا اور کہا: ”ٹھیک ہے پر جلدی آجانا۔“ یہ سنتے ہی سارے بچے خوشی سے اُچھل پڑے اور عامل سب کو لے کر باہر آیا اور آئس کریم پارلر لے گیا۔ سب نے اپنی من پسند آئس کریم کھائی۔ عامل کاؤنٹر پر بل ادا کرنے گیا تب بچے آپس میں باتیں کرنے لگے:

’’کتنا مزہ آیا نہ‘‘ اریبہ چہکتے ہوئے بولی منال۔بھی ہاں میں ہاں ملانے لگی۔حمزہ نے عاطف سے کہا:’’عاطف میں نے راستے میں کمال کی بائک دیکھی۔ بہت اچھی تھی۔‘‘ عاطف نے حمزہ کی بات سنی تو جھٹ کہا: ’’حمزہ تمھیں پتہ ہے ابو عامل بھیا کے لیے بائک خریدنے والے ہیں انھوں نے پیسے بھی جمع کر لیے ہیں۔‘‘ عاطف کی یہ بات کسی اور نے بھی سن لی۔ ایک انجان آدمی جوان بچوں کی باتیں سن رہا تھا وہ بچوں کے پاس آ کر بولا:

’’کیسے ہو بچو! کہاں رہتے ہو تم لوگ؟‘‘ کسی انجان کو بات کرتا دیکھ کر سب بچے حیران ہو گئے پر اس آدمی کے سوال کا جواب کسی نے نہیں دیا۔تو وہ ہنس کر بولا: ’’ارے ڈرو نہیں۔ میں تو بس تم لوگوں سے بات کرنا چاہتا ہوں۔‘‘ وہ ان سے گھل ملنے کی کوشش میں لگا تھا تبھی عامل واپس آیا تو کسی انجان شخص کو بچوں کے پاس دیکھ کر چونک گیا اور وہ آدمی بھی عامل کو دیکھ کر گھبرا سا گیا کہ کوئی بڑا بھی ہے۔ بچوں کے ساتھ۔ وہ عامل کو دیکھ کر وہاں سے ہٹنے لگا تو عامل نے جلدی سے کہا:’’ایک منٹ کون ہو تم؟ تم اور بچوں سے کیا کہہ رہے تھے۔‘‘ کچھ دیر عامل نے اس آدمی کا جائزہ لیا۔ وہ آدمی بنا جواب دیے وہاں سے ہٹ گیا اور آئس کریم پارلر کے باہر آ گیا۔ عامل نے عاطف سے پوچھا:’’کون تھا وہ شخص عاطف اور کیا کہہ رہا تھا وہ تم سب سے؟ کتنی بار کہا ہے کہ انجان لوگوں سے بات نہیں کرتے۔‘‘ عامل سختی سے بولا تو عاطف نے کہا:

’’بھیا اس سے بات نہیں کر رہے تھے۔ میں تو حمزہ سے کہہ رہا تھا کہ ابو نے آپ کی بائک لینے کے لیے پیسے جمع کیے ہیں وہ آدمی خود ہی آ کر ہم سے بات کرنے لگا کہ تم لوگ کہاں رہتے ہو۔‘‘ عامل سمجھ گیا کہ وہ آدمی ٹھیک نہیں تھا۔اس نے عاطف کو سمجھایا اور کہا:’’عاطف گھر کی باتیں باہر نہیں کرتے۔ کیا پتہ وہ آدمی کون تھا؟ خاص طور پر تو بچوں کو باہر گھر کے معاملات بیان نہیں کرنے چاہئیں۔ سمجھے؟‘‘ عامل کی بات پر سب نے اثبات میں سر ہلایا: ’’اور اگر دوبارہ وہ آدمی نظر آئے تو مجھے ضرور کہنا۔ٹھیک ہے؟‘‘ اس بار پھر سب نے اثبات میں سر ہلایا اور عامل سب کو دوسری جگہ گھمانے لگا۔کافی دیر بعد وہ لوگ گھر آ گئے اور سارے راستے عامل کو ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے کوئی پیچھا کر رہا ہو پر اسے کوئی نظر نہیں آیا۔اگلے دن عامل کے ابو کو کام کے سلسلے میں شہر سے باہر جانا پڑا۔گھر پر خواتین، بچوں اور عامل کے علاوہ کوئی بڑا شخص موجود نہیں تھا۔رات کو سب لوگ کھانا کھا کر سو گئے اور پھر رات کے تین بجے گھر کے باہر کوئی آیا تھا۔ وہ کوئی اور نہیں وہی پیشہ ور چوروں کا گروہ تھا وہ سارے چور ان کے گھر کے گیٹ کو پھاند کر صحن میں آسانی سے اترے اور آہستہ سے بات کرنے لگے۔ ایک چور بولا: ’’میں نے ساری معلومات حاصل کی ہیں گھر میں صرف عورتیں اور بچے موجود ہیں۔‘‘ تب دوسرا چور بولا: ’’اور وہ بڑا لڑکا وہ بھی تو ہے نہ گھر میں۔‘‘ تب پہلا والا بولا: ’’ارے سو رہے ہیں سب کون جاگے گا۔ چلو کام پر لگ جاؤ۔‘‘ وہ کل ملا کر چار چور تھے۔ سب عاطف کے ابو کے کمرے کی جانب بڑھنے لگے تب اندھیرے کے سبب صحن میں رکھی کرسی ایک چور کو واضح طور پر نظر نہیں آئی اور وہ کرسی سے ٹکرا گیا اور کرسی کی آواز سن کر دوسرے چور گھبرا گئے اور غصے سے کھا جانے والی نگاہوں سے اس چور کو گھورنے لگے تب اس چور نے اشارے سے معافی مانگی اور پھسپھسا کر کہا: ’’اچھا ہوا کوئی نہیں جاگا ورنہ آفت آ جاتی۔‘‘ پر چور واقف نہیں تھے کہ کرسی کی آواز سے حمزہ جاگ گیا تھا۔حمزہ نے اٹھ کر کھڑکی کو ذرا سا کھول کر دیکھا تو اس کے ہوش اڑ گئے۔ اس نے دیکھا کچھ آدمی جو کالے کپڑوں میں تھے اور عاطف کے ابو کے کمرے کا لگا ہوا تالا کھولنے کی کوشش کر رہے تھے۔ عاطف کے ابو گھر میں نہیں تھے اسی لیے کمرے کو تالا لگا کر رکھا تھا۔ایک کمرے میں حمزہ، عاطف اور روحان کے ساتھ نانی سو رہی تھیں اور دوسرے کمرے میں بچیاں اور خواتین۔ اب حمزہ پریشان ہو گیا کہ سب کو کیسے بتائے کہ گھر میں چور گھس آئے ہیں۔ نانی کو جگاتا تو وہ چلا چلا کر خود ہلکان ہو جاتیں اور عامل جو دوسرے کمرے میں تنہا سویا تھا حمزہ اسے کیسے بتاتا کہ چور آئے ہیں۔ اس نے روحان اور عاطف کو جگا کر ساری صورت حال سے واقف کرایا تو وہ لوگ بھی حیران رہ گئے اور سوچنے لگے کہ کیا کریں۔

تب روحان نے کہا:’’ہم لوگ ایک کام کرتے ہیں زور زور سے چلاتے ہیں تب سب اٹھ کر آ جائیں گے۔‘‘ تو حمزہ نے کہا:’’تب تک چور بھاگ جائیں گے اور ہمارے چلانے سے نانی ڈر گئیں تو؟‘‘ پھر حمزہ اور عاطف نے پھر سے کھڑکی سے جھانک کر دیکھا چوروں سے وہ تالا کھل ہی نہیں رہا تھا تب ایک چور نے کہا:’’پسینے چھوٹ گئے مگر یہ تالا نہیں کھلا۔لگتا

ہے مہنگا ہے۔ اگر پتھر سے توڑیں گے تو آواز پیدا ہوگی اور سب اٹھ جائیں گے۔'' تب دوسرا چور بولا:

''مجھے تو بھوک لگ گئی چلو کچھ کھاتے ہیں۔ دیکھو وہاں باورچی خانہ ہے۔'' چاروں بھی اس بات پر اتفاق رکھتے ہوئے کچن میں گئے۔ تب حمزہ نے عاطف اور روحان سے کہا: ''وہ لوگ تو کچن میں گئے جلدی چلو صحیح موقع ہے۔ بھیا کو جگاتے ہیں۔ حمزہ اور عاطف جلد بازی میں باہر نکل گئے اور اسی وقت ایک چور کچن سے باہر آیا اپنا بیگ لینے تب اس نے حمزہ اور عاطف کو دیکھ لیا اور وہ دونوں دنگ رہ گئے کہ چور نے انھیں دیکھ لیا۔ اس سے پہلے کہ وہ چلاتے چور نے دونوں کو پکڑ کر ان کا منہ دبوچ لیا۔ تب روحان نے پیچھے سے نانی کی لاٹھی لے کر اس چور کے سر پر مارا۔ وہ چور بے ہوش ہوگیا۔ حمزہ اور عاطف نے خدا کا شکر ادا کیا پر خطرہ اب بھی تھا۔ تین چور کچن میں موجود تھے جو کھانے میں مصروف تھے۔ حمزہ اور عاطف و روحان نے مل کر جلدی سے عامل کا دروازہ کھٹکھٹا کر اسے جگایا اور ساری بات بتائی۔ عامل نے پہلی فرصت میں پولیس کو فون کیا اور دبے قدم کچن کی طرف گیا۔ اندر تینوں چور بے خبر اور بے فکر کھانا کھا رہے تھے۔ ایک چور نے کہا: ''ارے ہمارا دوست بیگ لے کر اب تک نہیں آیا۔'' عامل نے بنا وقت گنوائے کچن کا دروازہ دھڑ سے بند کر دیا اور باہر سے تالا لگا دیا۔ وہ چور گھبرا گئے کہ دروازہ بند ہو گیا۔ وہ دروازہ کھولنے کی کوشش کرنے لگے پر کوئی فائدہ نہیں ہوا اور جب کچھ دیر بعد دروازہ کھلا تو سامنے گھر کے سارے لوگ اور پولیس کھڑی تھی۔ اس بے ہوش چور کو بھی جب ہوش آیا تو سامنے پولیس کو دیکھ کر وہ ہکا بکا رہ گیا۔ آج سارے شہر کو ان چوروں سے نجات مل گئی اور عامل نے سب کو بتایا کہ ان میں سے ایک چور وہی ہے جو آئس کریم پارلر میں بچوں سے بات کرنا چاہ رہا تھا۔ آج ان بچوں کی زندگی نے ایک اہم سبق پڑھایا کہ کبھی گھر کی باتیں بے فکر ہو کر باہر نہیں کہنی چاہئیں۔ ورنہ ایسی مصیبت سے سامنا کرنا پڑ سکتا ہے۔

Block No. 2/11, Classic General Store,
Labour Colony,
Nanded Wagha la-431602
(Maharashtra)

نیم

نیم کا پیڑ کتنا کڑوا ہے
جانور منھ نہیں لگاتا ہے
رس بھری کس قدر نبولی ہے
پھر بھی کتنی مزے میں کڑوی ہے
آم بھی تو نبولی جیسا ہے
رس ہے اُس میں بھی پر وہ میٹھا ہے
کیسا قدرت کا یہ تماشا ہے
کوئی میٹھا ہے کوئی کڑوا ہے
نیم کڑوا بنایا قدرت نے
گُن مگر اس کو دے دیے اچھے
نیم پیڑوں میں سب کا راجا ہے
جتنا کڑوا ہے اتنا اچھا ہے
پھول سے لے کے اس کی پتّی تک
اور نبولی سے لے کے گٹھلی تک
تندرستی کا اک خزانہ ہے
کام بیماریوں میں آتا ہے
مصلحت ہے خدا کی ہر شے میں
ہے مٹھاس اس کی کڑوے میں

مشکل الفاظ: مصلحت: اچھا سُجھاؤ، اچھی بات، شے: چیز

کوثر صدیقی
79-A,Ginnori Main Road, Bhopal-462001
Mob.: 9926404171

دعا

ذات تیری سب سے اعلیٰ خالق دنیا ہے تو
تو ہے ہر اک شے کا مالک کیا بتاؤں کیا ہے تو

مجھ کو یہ تسلیم ہے میں تیری خاک پا نہیں
میری ہستی ایک قطرہ جب کہ اک دریا ہے تو

جیسے ہو علم و ہنر سے مجھ کو کر سیراب تو
دنیا میں علم و ہنر کا سر بسر چشمہ ہے تو

سر بہ خم ہوں تیرے در پر کر مجھے تو فیضیاب
گونجتی ہے یہ صدا ہر سو مرا مولیٰ ہے تو

زندگی میں دیر سے ہوں جانب منزل رواں
جو مجھے لے جائے منزل تک وہ نقش پا ہے تو

میری خاطر تونے بکھرائی ہے کتنی کہکشاں
میری خاطر چاند بن کر رات بھر چمکا ہے تو

یاد کرتا رہتا ہوں یکتا تجھے شام و سحر
زندگی میں میری خاطر رحم کا سایہ ہے تو

ڈاکٹر غلام جیلانی یکتا
Dept. of Urdu Jammu University, Jammu
Mob.: 9622394714

روزوں کا موسم

روزوں کا موسم آیا ہے
جنت کی خوش بو لایا ہے

''آیا، ماہِ مبارک، آیا''
گیت فرشتوں نے گایا ہے

ہے کوئی جو مجھ سے مانگے؟
ایسا رب نے فرمایا ہے

گوشہ گوشہ، چپہ چپہ
اس کی رحمت کا سایا ہے

نیکی کے دن رات ملے ہیں
بندوں نے تحفہ پایا ہے

طارقؔ وہ قسمت والا ہے
جس نے دین کو اپنایا ہے

روزوں کا موسم آیا ہے

عطاءالرحمٰن طارقؔ

701/3A, Vijaya Co-op Hsp Society, Vaishali Nagar,
K.K.Road, Mahalaxmi, Mumbai | Mob.: 9773238043

ماہ صوم آگیا

آگیا ہے عبادت کا موسم
آؤ ہوجائیں ہم اس میں مد غم

ماہ صوم اب جو جلوہ نما ہے
ہر طرف رحمتوں کی گھٹا ہے
غفلتوں میں نہ موقع یہ کھونا
بیچ کر تم نہ یوں گھوڑے سونا

بس حصول جہاں ہو نہ مقصد
زندگی تو ہے بس ایک سرحد
پار سرحد کو کرکے ہے جانا
آخرت میں تو جنت ہے پانا

کار دنیا بھی ہو کار دیں بھی
سرخرو بس وہی ہے جبیں بھی
ساعتیں قابل قدر ہیں یہ
زندگی کا حسیں اجر ہیں یہ

سرفرازی فقط اس جہاں کی
فکر ہو بھی کچھ اگلے زماں کی
ہم کو بھی دے تو توفیق مولا
ہو عمل کی بھی توثیق مولا

احمد وکیل علیمی

B.L. NO. 4, H. No. 5, P.O. Kankinara,
24-PARGS(North), Kolkata-743126 | Mob.: 9330126756

پیارے بچو!

میرے دیش کے پیارے بچو!
مل جل کر سب رہنا سیکھو
تکلیفوں کو سہنا سیکھو
سچی بات ہی کہنا سیکھو
میرے دیش کے پیارے بچو!
محنت سے شان ہماری
پیار محبت جان ہماری
وحدت ہے پہچان ہماری
میرے دیش کے پیارے بچو!
علم و ہنر میں آگے رہنا
فکر و نظر میں آگے رہنا
بحر و بر میں آگے رہنا
میرے دیش کے پیارے بچو!
پڑھنے سے تم جی نہ چراؤ
علم کی دولت خوب کماؤ
آگے آگے بڑھتے جاؤ
میرے دیش کے پیارے بچو!
آؤ! آج یہ وعدہ کرلیں
اپنے آپ کی روز خبر لیں
نیکی سے ہم دامن بھرلیں

پروفیسر مقبول احمد مقبولؔ
Prof. Dept. of Urdu Maharashtra Udayagiri College,
UDGIR-413517, Dist. Latur (M.S.) | Mob.: 9028598414

وطن

ہم جان وطن کے لیے قربان کریں گے
جتنا ہے بدن میں لہو سب دان کریں گے

آنے نہ دیں گے آنچ کبھی اپنے وطن پر
رکشا ہم اپنے دیس کی ہر آن کریں گے

یہ دیس تو ہم سب کا ہے اور سب کا رہے گا
جب تک ہے دم میں دم یہی اعلان کریں گے

عبدالحمید اور بھگت دے گئے سبق
قربان ہم اک جان کیا سو جان کریں گے

پرکھوں نے سنوارا ہے اسے اپنے لہو سے
منظور بھلا کیسے ہم ویران کریں گے

منظورؔ عالم الجھن
Nabi Nagar, Aurangabad, Bihar
Mob.: 7091607744

بچو اے میرے بچو!

اس قدر موبائل مت دیکھا کرو
اہمیت کو وقت کی سمجھا کرو

طرز ہے برعکس یہ آداب کے
مت کسی کو راہ میں ٹوکا کرو

دور جھگڑوں سے سدا بھاگا کرو
مت کسی سے بھی کبھی الجھا کرو

علم سے بڑھ کر کوئی دولت نہیں
کچھ ہنر بھی ساتھ میں سیکھا کرو

گیم کوئی مت کبھی کھیلا کرو
پند سعدی یاد تم رکھا کرو

رابطہ اس سے شرافت کا نہیں
مت کبھی گالی کوئی بولا کرو

ڈائری میں کام جو کچھ ہے ملا
پہلی فرصت میں اسے پورا کرو

چاہیے ہو تربیت اچھی اگر
ساتھ اچھوں کے سدا بیٹھا کرو

ساتھ اپنے تم خدا کے واسطے
دوسروں کا بھی بھلا سوچا کرو

باہری چیزوں کی عادت چھوڑ دو
جو ملے گھر کا بنا کھایا کرو

چاہتے ہو پیار تم پانا اگر
قاعدے سے ہر جگہ بیٹھا کرو

ہر کسی کے واسطے بچو مرے
نرم گوشہ دل میں تم رکھا کرو

ہو اگر موجود دسترخوان پر
مت بڑوں سے قبل تم اٹھا کرو

اردو ہندی اور انگریزی شکیلؔ
ایک گھنٹہ روز تم لکھا کرو

شکیلؔ سہسرامی
Near Rahman Masjid, Samanpura, Raja Bazar, Patna - 800014
Mob.: 9835642267

• بارش میں ایک آدمی تین چھتری لے کر آفس کو روانہ ہوا، مگر واپسی میں جب گھر پہنچا تو بھیگا ہوا تھا۔ اس کی بیوی نے کہا: ''ارے جی! آپ تین چھتری لے کر آفس گئے تھے پھر بھی بھیگ کر گھر آئے۔ یہ کیسا کرشمہ ہے؟''

شوہر: ''کیا بتاؤں جی! ایک چھتری آفس میں بھول گیا اور دوسری ہوٹل میں۔

بیوی: اور تیسری کہاں گئی؟

شوہر: او مائی گوڈ وہ تو میں کھولنا ہی بھول گیا۔

مرسلہ: رہبر عالم، شاہجہاں پور، یوپی

• اشفاق: یہ چاندی کا تمغہ تمھیں کس لیے ملا؟

سرفراز: گانا گانے کے لیے!

اشفاق: اور یہ سونے کا تمغہ؟

سرفراز: گانا بند کرنے کے لیے!!

مرسلہ: عزیز نازاں، فتح پور

• ایک پاگل خانے کا بڑا آفیسر پاگلوں کے دورے کے لیے پاگل خانے گیا۔ اس نے دیکھا کہ سارے پاگل ناچ رہے ہیں پر ایک اکیلا کھڑا ہے۔ آفیسر سمجھا کہ وہ ٹھیک ہو گیا ہے۔ آفیسر نے اس سے کہا کہ سارے پاگل ناچ رہے ہیں تم کیوں اکیلے کھڑے ہو؟ پاگل نے کہا کہ ''ارے بے وقوف، کم عقل، نالائق! ہم اس بارات کے دولہا ہیں۔ کبھی کسی دولہے کو اپنی ہی بارات میں ناچتے دیکھا ہے؟''

مرسلہ: محمد آصف، دہلی

• ایک استانی کا ان کی کلاس کے ساتھ گروپ فوٹو بنایا گیا۔ دوسرے دن استانی صاحبہ بچوں کو ایک ایک فوٹو دیتے ہوئے کہنے لگیں: ''جب تم بڑے ہو جاؤ گے تو حیرت سے اس تصویر کو دیکھو گے اور کہو گے کہ یہ ارم ہے جو امریکہ چلی گئی۔ یہ سائرہ ہے جو لندن چلی گئی۔ یہ قاسم ہے جو بوڑھا ہو گیا ہے۔''

قاسم یہ سن کر جل کر بولا: ''اور یہ استانی ہیں جو اب انتقال کر چکی ہیں۔''

مرسلہ: شبنم پروین، دہلی

• ایک صاحب گھبرائے ہوئے گھر آئے اور بیوی سے بولے: ''بیگم میں دفتر سے آ رہا تھا راستے میں ایک گدھا...'' اتنے میں ان کی ایک بچی بول اُٹھی ''امّی ثمینہ نے میری گڑیا توڑ دی۔''

بیوی نے کہا: ''بیٹی ہم تمھیں دوسری گڑیا لا دیں گے۔''

شوہر نے پھر کہنا شروع کیا: ''ہاں تو میں کہہ رہا تھا کہ راستے میں ایک گدھا...'' اتنے میں ان کا ایک لڑکا بول اُٹھا: ''امّی گڈو نے مارا ہے۔''

بیوی جھلا کر بولی: ''بھئی خدا کے لیے چپ ہو جاؤ، مجھے گدھے کی بات سننے دو۔''

مرسلہ: نازیہ حسن، سلطانپور، یوپی

• مریض: ڈاکٹر صاحب! جانے مجھے کیا ہو گیا ہے کہ مجھے اپنی کھانسی تک سنائی نہیں دیتی!

ڈاکٹر: یہ گولی کھا لو!!

مریض: کیا اس سے میری کھانسی ٹھیک ہو جائے گی؟

ڈاکٹر: نہیں! اس سے تمہاری کھانسی اتنی تیز ہو جائے گی کہ تمھیں سنائی دے گی!

مرسلہ: فہمیدہ خاتون، حیدرآباد

• مالکہ: (خادمہ سے) تم بے کار بیٹھی بیٹھی تھک نہیں جاتیں؟

خادمہ: مجھے آپ کی خاطر تھکنے کی پروا نہیں۔

• استاد: (شاگرد سے) یہ بتاؤ مرغے کا گوشت زیادہ بہتر ہے یا بکرے کا؟

شاگرد: مرغے کا، کیونکہ آپ ہمیں ہر روز مرغا بناتے ہیں۔

مرسلہ: سیف الاسلام، جمال پور، در بھنگہ (بہار)

میرا پسندیدہ شعر

اس کالم کے لیے شعر بھیجتے وقت ان باتوں کا ضرور خیال رکھیں:
● جو اشعار اس کالم میں شائع ہو چکے ہوں وہ دوبارہ نہ بھیجیں ● شعر اگر پوری طرح یاد نہ ہو تو حافظے پر بھروسہ نہ کریں، شعر جہاں پڑھا ہو وہاں سے دیکھ کر لکھیں ● اچھے شعروں کا انتخاب کریں
● ایسے اشعار بھیجیں جو زندگی میں امنگ اور حوصلہ بڑھانے والے ہوں، جنھیں پڑھ کر دل و دماغ روشن ہوں اور جن سے نیکی اور انسانیت کا سبق ملتا ہو ● ہمیں ہر روز سیکڑوں اشعار موصول ہوتے ہیں
، جو ایک ترتیب ہی سے شائع ہو سکتے ہیں اس لیے اشعار بھیجنے کے بعد ان کی اشاعت کا تقاضہ نہ کریں۔ آپ کا بھیجا ہوا شعر قابلِ اشاعت ہے تو نمبر آنے پر ضرور شائع ہوگا۔ **(ادارہ)**

تتلیاں پکڑنے میں دور تک نکل جانا
کتنا اچھا لگتا ہے پھول جیسے بچوں پر

(پروین شاکر) مرسلہ: عبدالحفیظ، دربھنگہ، بہار

خدا کا شکر ہے تہذیب نو میں
ابھی باقی صداقت ہے ذرا سی

(اوم پرکاش ساہو) مرسلہ: شاذیہ ارم، بھوپال

تاریخ کے اوراق میں وہ اب بھی ہیں زندہ
جو چھوڑ گئے اپنے کمالات کی خوشبو

(ساجد خیرآبادی) مرسلہ: عبدالاحد، سیتامڑھی

ابھی تک بھائیوں میں دشمنی تھی
یہ ماں کے خون کا پیاسا ہو گیا کون

(پروین شاکر) مرسلہ: نذرالاسلام، کولکاتہ

تھا خواب میں، خیال کو تجھ سے معاملہ
جب آنکھ کھل گئی نہ زیاں تھا نہ سود تھا

(غالبؔ) مرسلہ: عین الحق، پورنیہ، بہار

حق کی خاطر خدا کی خوشی کے لیے
جینا مرنا ہمارا اسی کے لیے
دل کسی کے لیے سر کسی کے لیے
بدنما داغ ہے زندگی کے لیے

(عزیز بگھروی) مرسلہ: محمد مجاہدالاسلام، گریڈیہہ

بڑے سلیقے سے تقسیم کر دیا ہم کو
اگر یہ شاخ نہ کٹتی تو آج پھل ہوتا

(راحت اندوری) مرسلہ: تابش، لکھنؤ، یوپی

اگرچہ دل پہ گراں انتظار گزرے گا
مرے مزاج پہ ہر لمحہ بار گزرے گا
نہ پوچھ مجھ سے تیرے انتظار کی لذّت
تو آ گیا تو مجھے ناگوار گزرے گا

(خواہ مخواہ حیدرآبادی) مرسلہ: عابدہ بیگم، کانپور، یوپی

مجھے دین ہے خدا کی مرے قد کی یہ بلندی
جسے اختیار ہو وہ مرا قد گھٹا کے دیکھے

(ظفر کلیم) مرسلہ: راشدہ جمال، علی گڑھ، یوپی

قرض ہیں شفقتیں بزرگوں کی
نسلِ نو پر اُتارتے رہیے

(ڈاکٹر شمر سنبھلی) مرسلہ: حسین احمد، پیلی بھیت، اتراکھنڈ

خدا کو بھول گئے لوگ فکر روزی میں
خیال رزق کا ہے رزّاق کا نہیں

(اقبال) مرسلہ: عبدالواحد، سہارنپور، یوپی

معلوماتکی کسوٹی

اس عنوان کے تحت جنرل نالج پر ۲۵ سوال شائع کیے جارہے ہیں، جن کے جواب اس شمارے میں شامل ہیں۔ اگر آپ ان میں سے ۲۲ سوالوں کا صحیح جواب دیتے ہیں تو آپ کی جنرل نالج بہترین ہے۔ اگر آپ ۲۰ سوالوں کا صحیح جواب دیتے ہیں تو آپ کی جنرل نالج اچھی ہے لیکن اگر آپ ۱۵ سے کم سوالوں کا جواب دیتے ہیں تو آپ کو جنرل نالج پر توجہ دینے کی ضرورت ہے۔

۱۔ ریزروبینک آف انڈیا (RBI) کا ہیڈکوارٹر کہاں واقع ہے؟

۲۔ عدالت عظمٰی ہند (Supreme Court of India) کے ۴۸ ویں چیف جسٹس کا باوقار عہدہ سنبھالنے والی شخصیت کون ہے؟

۳۔ گولڈن ٹیمپل عبادت گاہ کا تعلق کس مذہب سے ہے؟

۴۔ بھارت کی قانون ساز اسمبلی کے قانونی مشیر (Legal Advisor) کون تھے؟

۵۔ بلیوہاؤس (Blue House) میں کس ملک کے سربراہ (صدر مملکت) قیام کرتے ہیں؟

۶۔ آب حیات (۱۸۸۰ء) کس کی شہرۂ آفاق تصنیف ہے جو تاریخ اردو ادب کا اہم نمونہ ہے؟

۷۔ عرب نے کس جرنیل (Commander in Chief) کی قیادت میں ۷۱۲ء میں بھارت کے سندھ خطے کو فتح کیا؟

۸۔ انڈین نیشنل کانگریس (INC) کا سب سے کمسن صدر منتخب ہونے کا شرف کسے حاصل ہوا؟

۹۔ اولاد میں جنس (Sex) کے تعین کے لیے کس کا کروموزوم (Chromosome) ذمہ دار ہے؟

۱۰۔ سمراولمپک میں مشعل جلانے کی رسم کا آغاز کس اولمپک سے ہوا؟

۱۱۔ آئین ہند کے بنیادی حقوق (Fundamental rights) کا محافظ کس ادارے کو مانا جاتا ہے؟

۱۲۔ بھارت کا وہ ٹیلی سیریل کون سا تھا جسے سب سے زیادہ لوگوں نے دیکھا؟

۱۳۔ بہار کی واحد بین الاقوامی طیران گاہ (International Airport) کہاں واقع ہے؟

۱۴۔ ۳۲ ویں ٹوکیو اولمپک ۲۰۲۱ء میں کس کھلاڑی نے بھارت کے لیے گولڈ میڈل جیتا؟

۱۵۔ گپت عہد میں سونے کا سکّہ کیا کہلاتا تھا؟

۱۶۔ خواتین کو ووٹ کا حق سب سے پہلے دنیا کے کس ملک نے دیا؟

۱۷۔ امریکہ کے دو ماہرین کمپیوٹر سائنس Larry Page اور Sergey Brin نے ۱۹۹۵ء میں کس بڑے Search engine کی بنیاد رکھی؟

۱۸۔ برٹش پارلیمنٹ ہاؤس کے مینار پر لگی گھڑی کیا کہلاتی ہے؟

۱۹۔ ایشیا کی ایک بڑی تجارتی کمپنی ''علی بابا'' کی بنیاد ۱۹۹۹ء میں کس چینی نے رکھی؟

۲۰۔ اسلامی جرنیل اور قائد غازی صلاح الدین ایوبیؒ کی قیادت میں بیت المقدس کو کب فتح کیا گیا؟

۲۱۔ دنیا کا سب سے بڑا بحری جہاز ٹائٹینک (Titanic) بحر اوقیانوس (Atlantic Ocean) میں برف کے تودے (Iceberge) سے ٹکرا کر کب غرقاب ہوا؟

۲۲۔ بھارت کے مرد آہن (Ironman of India) سردار پٹیل کی یاد میں نو تعمیر دنیا کا سب سے بڑا مجسمہ (Statue) کیا کہلاتا ہے؟

۲۳۔ امریکی خلاباز نیل آرم اسٹرانگ اور بز الڈرن (Buzz Aldron) نے ۲۰ جولائی ۱۹۶۹ء کو چاند کی سرزمین پر قدم رکھنے کا تاریخی کارنامہ کس ایئر کرافٹ سے طے کیا؟

۲۴۔ کس معروف خاتون کھلاڑی کی تقرری دہلی اسپورٹس یونیورسٹی کے پہلے وائس چانسلر کے طور پر کی گئی ہے؟

۲۵۔ انسانی دل ایک منٹ میں کتنی مرتبہ دھڑکتا ہے؟

......انس نمیر

جوابات صفحہ 38 پر

آپ نے لکھا

★ ''بچوں کا ماہنامہ اُمنگ'' ہمیشہ سے ہمارے گھر خاندان کا محبوب رسالہ رہا ہے۔ جب سے اس کا سائز بڑا ہو گیا ہے اور رنگ برنگے چکنے چمکتے ہوئے کاغذ پر سامنے آنے لگا ہے، بس اس کی محبوبیت اور مقبولیت میں کچھ زیادہ ہی اضافہ ہو گیا ہے۔ ہاتھ میں لو تو بس دیکھتے رہو اور پڑھو تو پڑھتے ہی رہو۔ جی چاہتا ہے حسن و جمال اور رنگینیوں و رعنائیوں کا یہ سلسلہ ختم ہی نہ ہو۔

فراق جلال پوری، جلال پور، امبیڈکر نگر، یوپی

★ دراصل تعلیم کا مقصد اچھا انسان بننا ہوتا ہے۔ تعلیم کا مقصد صرف پیسہ کمانا نہیں ہے بلکہ اپنے اندر انسانیت اور اخلاقیات کی صفت کو پیدا کرنا ہے۔ تعلیم کے ذریعے انسان جینے کا طریقہ سیکھتا ہے۔ تعلیم یافتہ لوگ ہی آگے بڑھ سکتے ہیں اور ترقی کر سکتے ہیں۔ ہم سب کو تعلیم و تربیت کے میدان میں آگے آنے کی سخت ترین ضرورت ہے اور ساتھ ہی ہم سبھی کو اچھے اخلاق و کردار کو بھی اپنانے کی سخت ترین ضرورت ہے۔ برے اور گندے اخلاق و کردار والا آدمی انسان کہلانے کے لائق نہیں ہے۔

اپنا محاسبہ کیجیے۔ اچھائی اور سچائی کو فروغ دیجیے۔ حق اور سچ کی مدد کیجیے۔ امن و عدل کی فضا قائم کیجیے۔ اپنی ذمہ داریوں کو پورا کیجیے۔ اپنے بچوں کی اچھی تعلیم و تربیت پر دھیان دیجیے۔ بچوں کا ماہنامہ اُمنگ کے کم و بیش ہر شمارے میں تعلیم سے متعلق مضمون اور خاص طور پر ''اداریے'' میں بچوں کو پڑھنے اور امتحانات کی تیاری کے لیے متوجہ کیا جاتا ہے۔ یہ بہت خوب ہے۔

''بچوں کا ماہنامہ اُمنگ'' بہت اچھا رسالہ ہے۔ اس میگزین میں ہر طرح کے مضامین پڑھنے کو مل جاتے ہیں۔ ادبی، تفریحی، سماجی، سیاسی، معلوماتی، مذہبی غرض ہر طرح کے مضامین شامل اشاعت ہوتے ہیں جنھیں پڑھ کر معلومات میں بہت اضافہ ہوتا ہے۔ یہ بہت اچھا اور شاندار رسالہ ہے۔

سیف الاسلام، جمال پور، پرکھنڈ، کرت پور، وایا بیرول، ضلع دربھنگہ، بہار

★ ''بچوں کا ماہنامہ اُمنگ'' فروری ۲۰۲۲ء کا شمارہ ملا۔ تمام مضامین پسند آئے۔ راشد جمال فاروقی نے کامیابی کے راز خوب سمجھائے۔ ڈاکٹر محمد علقمہ نے تیمور لنگ کی تاریخ سے متعارف کرایا۔ دیگر مضامین میں ڈاکٹر محمد زاہد کا نیلے ''پہاڑ کا راز'' اور شیراز حسین عثمانی کا ''بچوں کے صادقین'' بہت اچھے لگے۔

سید پرویز قیصر صرف کرکٹ پر ہی لکھتے ہیں کیا۔ ہندوستان کے دوسرے اور بہت سے مقبول کھیل ہیں، جن سے متعلق بچے جاننا چاہتے ہیں۔ آپ سے بھی گزارش ہے کہ دوسرے کھیلوں پر بھی اُمنگ کے صفحات پر مضامین پیش کریں۔ جب بچے کبڈی، بیڈمنٹن اور ہاکی پر مضامین پڑھیں گے تو یقیناً ان کی معلومات میں بہت اضافہ ہوگا۔

کہانیوں میں ڈاکٹر فیضان حیدر کی کہانی ''نیکی کا بدلہ'' شاہ تاج کی ''میرے دیش کی دھرتی'' اور محمد نصیر کی ''پچھتاوا'' اچھی ہیں اور سبق آموز بھی۔

شاعری میں ڈاکٹر جی آر کنول کی نظم ''بچوں کے نام''، ڈاکٹر فریاد آزر کی نظم ''بے دم کا جانور'' خوب ہیں۔ رومانہ عزت راہی نے بھی ''اچھا بچہ بنوں گا'' میں محنت کی ہے۔ میرا پسندیدہ کالم معلومات کی کسوٹی بہت اچھی ہے۔ اس سے ہم سمیت تمام بچوں کی معلومات میں اضافہ ہوتا ہے۔

میرا پسندیدہ شعر میں منظور پروانہ کا یہ شعر دل کو چھو گیا:

میں اتنا جھک گیا تھا کہ سجدے کا تھا گمان
ٹوکا مرے ضمیر نے تو میں سنبھل گیا

تمام قلم کاروں کو بہت بہت مبارک باد۔

شبنم پروین، جے این یو، نئی دہلی

ہمارا صفحہ

پیارے بچو! جب بھی آپ اُمنگ میں اپنی پینٹنگ بھیجیں تو اُسے کمپیوٹر سے اسکین کرکے ہی بھیجیں کیوں کہ موبائل سے لی گئی تصویر چھپائی کے وقت صاف نہیں آتی ہے۔ دوسری اہم بات یہ ہے کہ صرف اپنی تصویر نہ بھیج کر اُس کے ساتھ اپنی پینٹنگ ضرور بھیجیں۔ آپ دو یا تین پینٹنگ ایک ہی ای میل میں بھیج سکتے ہیں۔ اپنے اُمنگ کو اسی طرح خوبصورت بناتے رہیے۔
اپنا خیال رکھیے۔

اُنّتی۔ چوتھی کلاس۔ میکس فورٹ اسکول، دہلی

شازم، جماعت سیکنڈ، الفلاح پبلک اسکول، مالیر کوٹلہ، پنجاب

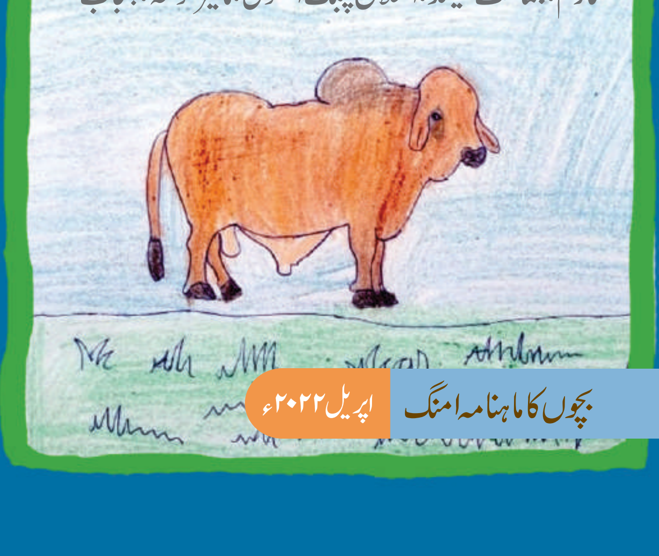

Registered with the Registrar of News Papers for India Under
Bachchon Ka Mahnama Umang
Vol. No. 36, Issue No. 4, April 2022, Pages (52), Weight: 190gm.
and sources of News Items (individual) Price Rs. 8.00
Posting Office of V.P. Pkt. Regd. Pkt. at G.P.O Delhi-110006 &
Posting Single Newspaper RMS Delhi-110006

R.N. No. 47217/87
Regd. No. DL (DG-11) 8020 /2021-23
ISSN No. 2321-287X
Date of Posting: 1st & 2nd April 2022
Date of Publishing / Printing: 31-03-2022

سونے والو جاگو!

جاگو سونے والو جاگو!
وقت کے کھونے والو جاگو!

باغ میں چڑیاں بول رہی ہیں
کلیاں آنکھیں کھول رہی ہیں

پھول خوشی سے جھوم رہے ہیں
پتوں کا منھ چوم رہے ہیں

جاگ اٹھے دریا اور نہریں
جاگ اٹھیں موجیں اور لہریں

ناؤ چلانے والے جاگے
پار لگانے والے جاگے

ساری دنیا جاگ رہی ہے
کام کی جانب بھاگ رہی ہے

لکھنے پڑھنے والو جاگو!
پھولنے بڑھنے والو جاگو!

منھ دھو دھا کر ناشتہ کھاؤ
بستہ لے کر مدرسے جاؤ

صبح کا سونا خوب نہیں ہے
اچھا یہ اسلوب نہیں ہے

جاگو سونے والو جاگو!
وقت کے کھونے والو جاگو!

حفیظؔ جالندھری

حفیظؔ جالندھری شہر جالندھر میں ۱۴؍جنوری ۱۹۰۰ء کو پیدا ہوئے۔ انھوں نے باضابطہ تعلیم حاصل نہیں کی، مگر انھوں نے خود ہی پڑھ کر اپنے اندر اچھی استعداد پیدا کر لی۔ وہ نامور فارسی شاعر مولانا غلام قادر بلگرامی کے شاگرد تھے۔ انھوں نے اپنی محنت اور ریاضت سے نامور شعرا کی فہرست میں جگہ بنائی۔

حفیظ جالندھری گیت کے ساتھ ساتھ نظم اور غزل دونوں کے قادرالکلام شاعر تھے۔ ان کا سب سے بڑا کارنامہ شاہنامہ اسلام ہے جو چار جلدوں میں شائع ہوا۔ اس کے ذریعہ انھوں نے اسلامی روایات کو بہت سادہ انداز میں سمجھایا، جس پر انھیں فردوسی اسلام کا خطاب دیا گیا۔

حفیظ جالندھری کی شاعری کی خوبی اس کی غنائیت ہے۔ وہ ایک مترنم شاعر تھے، اس لیے انھوں نے ایسی لفظیات کا انتخاب کیا جو غنائیت کے پیکر پر پوری اترتی ہیں۔ غنائیت کا سبب ان کی گیت نگاری بھی ہے۔ انھوں نے دوسری جنگ عظیم کے زمانے میں فوجی گیت لکھے تھے اور گیت کو بھی انھوں نے نئے پیکر عطا کیے۔ بلاشبہ ان کے گیت بڑے پر اثر ہیں کیوں کہ انھوں نے گیتوں میں جو الفاظ استعمال کیے ہیں وہ اپنی جگہ پر نگینے کی طرح جڑے ہوئے ہیں اور سننے والے کے دل پر گہرا اثر چھوڑتے ہیں۔ انھوں نے بچوں کے لیے بھی جو نظمیں کہی ہیں، وہ آج بھی اپنا اثر رکھتی ہیں۔

ان کی چند تصانیف درج ذیل ہیں: نغمہ بار، تلخابہ شیریں، سوز و ساز، افسانوں کا مجموعہ ہفت پیکر، گیتوں کا مجموعہ ہندوستان ہمارا، پھول مالی، بچوں کی نظمیں، چیونٹی نامہ، شاہنامہ اسلام ۴ جلدیں، بزم نہیں رزم، چراغِ سحر، تصویرِ کشمیر، بہار کے پھول۔ ۲۱؍دسمبر ۱۹۸۲ء کو لاہور میں ان کا انتقال ہوا۔

Printed & Published by Editor Mohammed A Abid, Secretary Urdu Academy, on behalf of Urdu Academy, Delhi (Govt. of Delhi)
Printed at SDM Printer & Packer, B-215, Sector-4, G.F., Bawana, Indl. Area, Delhi-110039
and published from Urdu Academy, Delhi, C.P.O. Building, Near Ritz Cinema, Kashmere Gate, Delhi-110006